مکمل ناول
سمیرا حمید

"او میری میا۔ مجھے معاف رکھیو ہیجڑے تو یہ رہے۔۔" اس نے انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں ہاتھ اس کے عین منہ کے سامنے لاکر زور سے تالی بجائی۔

ڈھول بجایا جارہا تھا۔ تینوں آوازیں ڈوب ابھر رہی تھیں۔

وہ بت بنی کھڑی تھی۔ سرخ ریشمی سوٹ میں گہرا میک اپ تھوپے بالوں کو کھولے دوپٹے کو دور پرے پھینکے وہ تالی پیٹ رہا تھا ایک پیر کو اٹھائے ناچ ناچ کر اس کے گرد گول گول گھوم رہا تھا۔

وہ چلانے لگی وہ ناچتا ہی رہا تالی کی آواز نے زور پکڑ لیا ڈھول اور زور سے بجنے لگا الٹے سیدھے بال گہرا میک اپ گڈمڈ ہونے لگے گول گول گھومتی زمین بھی اسی کے ساتھ پیر اٹھائے ناچنے لگی۔

نوری اور زیادہ چلانے لگی چلاتی ہوئی ہی ہڑبڑا کر اٹھی۔

یہ گرو اس کی جان لے گا اس کی نیندوں میں آجاتا اسی ڈر سے وہ سوتی نہیں تھی آدھی جان نوری کی نکل چکی تھی اب پوری لے کر ہی وہ ٹلے گا' رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا وہ ایسے ہانپ رہی تھی جیسے اپنی پیدائش کے دن سے بھاگی پھر رہی ہو کائنات کے سارے حشرات اس کے پیچھے اسے نوچ کھانے کے لیے لگے ہوں۔ وہ اٹھ کر باہر بھاگی چھوٹے سے لان میں کرسی پر بیٹھ گئی ٹھنڈے گھاس پر تپتے پیر رکھے جاڑے کی راتوں میں وہ بنا شال سوئیٹر کے تجتی تالیوں اور باز گشتوں سے کانپ رہی تھی۔

میری میا۔

اس نے سر تھام لیا اور کانپتی رہی

"نوری" کوئی اسے جھٹکے دے رہا تھا وہ ہڑبڑائی کہ وہی آگیا

"جا جا کر اندر سو" وہ جھنجلایا ہوا کہہ کر چلا گیا' اس نے خوف سے اندر کی طرف دیکھا۔

"وہ آیا کہ آیا۔" اپنے کمرے میں وہ نہ جاسکی بس کمرے میں جس میں ساٹھ ہزار کا بیڈ چالیس ہزار کی دو کرسیاں اور بارہ ہزار والا میز رکھا تھا بائیس ہزار کا قالین تھا جو ذرا سے حصے میں بچھا تھا سفید چمکتے ماربل پر گہرا سبز قالین' بہت کچھ تھا کمرے میں اس کی الماری میں اس سارے گھر میں کچن کی الماریوں میں فریج کے خانوں میں' بہت جمع کیا تھا ان دونوں نے گھر بھر میں بہت کچھ تھا بہت کچھ ان کے پیٹ میں جاچکا تھا پیٹ سے سارے جسم کی نالیوں میں خون بن کر پہنچا تھا' انہوں نے بہت کچھ کھایا تھا' بہت پیا تھا' وہ کس کمرے میں جائے اور سو جائے؟؟ اس میں یا اس میں یا اوپر والے یا کسی بھی کمرے میں چلی جائے؟؟ نہیں وہ ہر جگہ ہے جہاں جہاں وہ سوتی ہے اگر وہ اڑ کر آسمان پر بھی جاسوئی تو وہ وہاں بھی ضرور آئے گا انہیں ہیجڑا کہنے والا۔

دن کا اجالا پھیل رہا تھا وہ اندر آئی اور دونوں بچیوں کے بیڈ پر جگہ بنا کر لیٹ گئی دونوں کے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا۔

بچے فرشتے ہوتے ہیں نا شاید کوئی فرشتہ اسے بچالے کس سے؟؟ نوری کو نوری سے نوری کو نوری کے ہی شر سے۔

دونوں بہت سال پہلے اپنے گاؤں سے بھاگ آئے تھے ذات پات' برادری' غیر برادری کا مسئلہ نوری کا ابا رشتہ کہیں پکا کر رہا تھا اس نے رات سے دن نہ ہونے دیا بھنک پڑتے ہی جاوید کے کان بھرے اور دونوں شہر بھاگ آئے چھ سات ماہ درباروں کے مہمان خانوں میں سوتے جاگتے رہے جاوید کام کرنے چلا جاتا رات کو وہیں آجاتا' دونوں نے نکاح کیا اور پہلی بچی ہوئی۔ دونوں ایک کمرے کے خستہ حال گھر میں رہنے لگے کمرہ اتنا چھوٹا کہ ہاتھ لگاؤ تو چھت چھولو۔ بیٹھے بیٹھے چاروں دیواروں کو پکڑلو بارش ہو تو کمرے سے ہی پانی بھرلو گندی نالیوں اور گٹر کا سارا پانی اندر آجاتا دونوں نوالے گن گن کر کھاتے محبت کے لیے قربانی دے رہے تھے ایک وقت کا کھاتے تو اگلے تین چار وقت بھوکے رہتے گاؤں کا فقیر شہر کے غریب سے بھلا ہوتا ہے گاؤں میں بھوکوں مرنے کی نوبت نہیں آتی' رحمت ہے اللہ کی گاؤں والوں کے ساتھ' شہر والوں کی طرح اناج کے

دانے نہیں گنتے جاوید اور نوری نے ایسے دنوں کا کبھی نہیں سوچا تھا جاوید چار چار پراٹھے کھانے والا سوکھی روٹی سے بھی گیا دیسی مرغیاں کھانے والے قربانی کے موقع پر عید کے گوشت سے بھی گئے غربت بہت بری ہوتی ہے شیطان پر سارے الزام ایسے ہی دھرے جاتے ہیں شیطان کا اگلا نام غربت ہے یہ جو انسانیت کی معراج کے قصے لکھنے والے ہیں نا وہ غریب نہیں ہوتے ورنہ وہ طے کرتے کہ غربت میں شیطانیت معراج ہی ہوتی ہے

جاوید سبزی کی ریڑھی لگانے لگا گلی' محلے' کالونیوں' سوسائٹیوں میں جاتا ایک دن ایک زنانہ سا آدمی گھر لے آیا

"بھابھی سلام" اس کا انداز بھی زنانہ تھا۔

"رشید ہے یہ" جاوید بلاوجہ مسکرائے جارہا تھا

"رشید کون رشید"

"رشید عرف چاند' رشید ولد حشیش ولد لاپتہ" بس رشید کا تعارف یہ ہی تھا۔

"اتنی سی ہے یہ" اسے دیکھ کر رشید نے چٹکی بنائی۔

"تیرے پاس دو پیسے نہیں کہ اسے کھلادے" وہ سنجیدہ نظر آنے لگا جاوید اپنے پیلے دانتوں سے ہنسنے لگا۔

"چل تجھے منڈی لے کر چلوں۔"

جاوید رشید کے ساتھ جھٹ منڈی چلا گیا واپس آیا تو تازہ پھلوں کے کریٹ ساتھ تھے' دونوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ سیر ہوگئے دونوں۔

چند دن گزرے تو وہ پھر سے آیا

"ہاں اب ٹھیک ہے" پھر جاوید کے کان میں سرگوشی کی۔

"پکی ہے نا یہ" جاوید نے صرف سر ہلایا

"فکر نہ کر تو باپ ضرور بنے گا میں تجھے باپ ضرور بناؤں گا۔"

"سچی۔" رشید چاند نے جاوید کا ماتھا چوم لیا کندھے پر ہمہ وقت دھرے چیک کے رومال سے آنکھیں صاف کیں۔ داڑھی نہیں تھی لیکن شیو بڑھی ہوئی دکھائی دیتی سفیدی مائل بال ایک ہاتھ کو سینے کے پاس رکھتا تھا لٹکا ہوا سا اور ایک ہاتھ سے اشارے کرتا بات کے دوران چال زنانہ نہ تھی بس انداز میں ہی کچھ جھلک دکھائی دیتی تھی۔

چند سال ہوئے یہ اپنی بنیاد چھوڑ چکا تھا۔ پہلے گاہک ڈھونڈتا تھا اب خود گاہکوں کی صف میں آکھڑا ہوا تھا' کرائے کے گھر میں رہتا تھا شاذ ہی گھر سے باہر نکلتا تھا جاوید سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

جاوید وہ تو جیسے تیار ہی بیٹھا تھا یہ سب کرنے کے لیے۔

چند ہفتے جاوید نے رات دن نوری کو بکری کا گوشت کھلایا' پھل دودھ پلایا خشک میوے لاکر دیئے نوری رات دن اس طرح کھائے جاتی کہ پھر شاید ملے یا نہ ملے اس رات نوری بکرے کے گوشت کی ہڈیاں' بوٹیاں چبارہی تھی کہ جاوید نے کہا کہ

"رشید کو ایک بچہ چاہیے" وہ خود بھی گوشت کو دانتوں سے نوچ نوچ کر کھا رہا تھا کہ آج بکرے کی ہر نسل ختم کرکے ہی اٹھے گا اتنی اہم بات اس نے اور ایسے بول دی جیسے سبزیوں کی قیمتیں بتارہا ہو کہ منڈی میں یہ بھاؤ چڑھ گیا ہے۔

"میں نے کہا میں تجھے باپ ضرور بناؤں گا۔" اس نے انگلی سے دانت میں پھنسی بوٹی نکال کر دوبارہ چبائی۔

"تو کیسے"؟ نوری گوشت کھانے میں اتنی مگن نہ ہوتی تو ذرا حیران ہولیتی۔

"یہ ہے نا" جاوید نے اس کے پھولے ہوئے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا نوری نے نان کے ٹکڑے کو پٹخا منہ میں دبی بوٹی تھوکی۔

"کتی سمجھا ہے مجھے کہ بچے جنتی جاؤں اور تو اٹھا کر دے دے۔"

"نوری" جاوید دھاڑا۔

"تیرا ہے یہ بچہ بول۔۔ میرا ہے یہ بچہ میرا۔"

"تو اپنی کوکھ میں رکھتا تھا نا اپنا بچہ"

ایک تھپڑ پڑا نوری کے گال پر نوری نے سب

برتن گوشت نان اٹھا کر پھینک دیے۔

"اگر تیرا باپ ڈھونڈتا آگیا ہمیں تیرے وہ بھائی تو تو دیکھتے ہی ماردیں گے ہمیں؟"

"تو؟" نوری بھنکاری

"اری او پاگل نہ سر چھپانے کے لیے جگہ ہے نہ جی داری کے لیے روپیہ میں نے تیرا ساتھ نبھایا کہ نہیں بھگا لایا تجھے گاؤں سے تیرا باپ تو اس کتے کی سکل والے سے تیرا رشتہ کر رہا تھا۔"

"تو؟" نوری کی آواز کی لے وہی پرانی تھی۔

"تو کی بچی سمجھ نالی سے بھی گندے گھر میں سڑ رہے ہیں گھر بدل لیں گے۔ بڑے شہر چلے جائیں گے رشید پورے پانچ لاکھ دے رہا ہے۔"

تازہ تازہ بکرے کا گوشت کھاتی نوری کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"پانچ لاکھ؟" اس کے انداز پر جاوید دلیر ہوا۔

"ہاں جی پانچ لاکھ اور یہ سارے پھل فروٹ بھی وہی لا رہا ہے یہ گوشت اور باڑے کا خالص دودھ وہ ہی لاتا ہے۔" نوری سوچ میں غرق ہو گئی۔

"وہ آدمی ٹھیک نہیں۔" وہ بولی۔

"بڑا نیک ہے وہ"

رشید جاوید کو سب صاف صاف بتا چکا تھا رہی نیک ہونے کی بات' تو وہ تھا یا نہیں لیکن پانچ لاکھ کے لیے اسے نیک بتانے میں جاوید کا کیا جاتا تھا۔

"بہت بھلا مانس ہے۔"

"میں کیوں دوں اپنا بچہ"

"اپنا اکیلی کا نہ بول میرا بھی ہے پگلی بات سمجھتی ہی نہیں یہ۔ بہت چکر لگائے اس نے یتیم خانوں کے اسے تو یتیم خانے والے گھسنے بھی نہ دیں' بہت گھن چکر بنا بے چارہ ایک تو پیسے لے کر بھاگ گئی۔ دو چار اور دھوکے ہوئے۔ کہتا ہے کسی ماں کی آہیں نہیں لے گا۔ ہاں جو ماں خوشی سے اس کی گود میں ڈال دے ورنہ ہزار بچے نہ اٹھا لیتا' ہے کہ نہیں؟ بڑا دکھی ہے۔ بڑے دکھ سے بتا رہا تھا کہ نیک انسان بناؤں گا' اسے پڑھائے گا' سکھائے گا' ڈاکٹر بنائے گا' لڑکی نہیں مانگ رہا' لڑکا' پائی پائی جمع کر کے رکھی ہے اس کے لیے گھر بند کیے روتا تڑپتا رہتا ہے۔ بہت بھلا ہے مزاروں پر جاتا ہے' چادریں چڑھاتا ہے۔ اس دن اذان ہو رہی تھی بولا جاوید اذان کے وقت نہیں بولتے اب خود دیکھ لے کتنا نیک ہے بڑا دلارا ہے قسم سے' کیا تو اور میں ایسے نیک ہیں؟ تو نے تو خود کبھی نماز نہیں پڑھی' پھر پیسے والا ہے' اچھی طرح بچہ پالے گا۔ تڑپ اٹھتا ہوں میں اس کے دکھ سن کر۔ انسان ہوں میں بھی۔"

جس وقت رشید جاوید کے ہاتھوں نیک ثابت کیا جا رہا تھا ٹھیک اسی وقت رشید ہاتھ جوڑے دربار پر کھڑا تھا' پہلے اس نے چادر چڑھائی پھر پھول پھینکے اس سے پہلے وہ تبرک بانٹ چکا تھا پھر ہاتھ جوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا وہ گھنٹوں کھڑا رہتا۔

"میری بھی تو آس کوکھ خالی ہے۔"

ہر خواہش ایک کوکھ ہوتی ہے صدیوں بانجھ رہنے والی عورت کی کوکھ جو زمین و آسمان ہلا دینا چاہتی ہے لیکن کوکھ کو بھر لینا چاہتی ہے یہی کوکھ ہر انسان کے اندر اپنی اپنی شکل میں کروڑوں بار جنم لیتی ہے' سب کی اشکال جدا تو رشید کی شکل بھی جدا۔

"کورا کھوکھلا مرد ہوں تو کیا چاند ہوں تو کیا ٹیسیں اٹھتی ہیں ان ٹیسوں کو سرور دلانے کا من کرتا ہے۔ سینے سے لگانے کا۔ میاں کی میں نہیں کرنے والا میری خدمت کون کرے گا۔ میری بھی کوئی نہ کرے لیکن۔" وہ سسکنے لگا وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

اس کے پاس کوئی بڑی دلیل نہیں تھی خدا کو دینے کے لیے ایسی دلیل جسے التجا میں شامل کیا جاتا ہے کہ التجا پر اثر بن جائے اس نے ہر دلیل کو پرے پھینکا کچھ اور مانگا تو کالا کر کے چھتر لگا مسجد بھیجوں گا اسے ڈاڑھی رکھے گا' حاجی بنے گا قسم پنج تن پاک کی' واسطہ ہے پیرو مرشد کا اسے اپنا راہ بنا رہا ہوں اسے اپنا راہ بنا رہا ہوں۔"

وقت گزر گیا رشید وہیں ہاتھ جوڑے کھڑا رہا وہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا' ہاتھ پھیلائے نہیں۔

وہ مانگ نہیں رہا تھا التجا کر رہا تھا حق سے مانگنے اور التجا میں بڑا فرق ہوتا ہے' یہ فرق بڑا خاص ہے۔ دعا بہت بڑا مان ہے' رشید نے خود کو اس مان کے قابل نہ سمجھا گاہکوں کے بھاؤ تاؤ ___ کرنے والے نے خود کو اس مان کے قابل نہ جانا کوئی دیکھ لے اور پوچھ بیٹھے کہ اتنی دیر سے بت بنے کیا مانگ رہے ہو تو؟ رشید کیا بتائے کہ "ماں اور باپ بننا چاہتا ہوں۔ دل کا ارمان ہے سینے سے لگا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ شادی کے قابل نہیں۔ باپ بن نہیں سکتا پھر بھی بچہ چاہتا ہوں۔"

چند سال ہوئے اس نے لاہوری کوٹھا چھوڑا تھا بڑا گھاگ تھا رشید چاند۔ گاہکوں کو ایسے گھیرتا جیسے گڑ آپو آپ مکھیاں گھیر لیتا ہے۔ تازہ تازہ پر پرزے نکالتے اس کے گلاس سے پانی پیتے اس کے ہاتھ سے نمک چاٹتے نائیکہ بھر بھر بنک میں پیسے رکھواتی۔

اب رشید کے کانوں میں اسی نائیکہ کی بیٹھی بیٹھی آواز گونجتی تھی۔ گالیوں کی بھرمار اور ایسی باتیں جو وہ سن چکا تھا اور کہہ چکا تھا اور جو ان کے لیے کہنی سنی جائز اور باہر کی دنیا کے لیے غلیظ ترین گردانی جاتی تھیں اسے ہر پل سنائی دیتیں ایسی ہر آواز سے دھیان ہٹانے کے لیے اسے کوئی چاہیے تھا۔ اتنا پاگل بھی نہیں ہو گیا تھا لیکن بہت کچھ ہو گیا تھا' بدل گیا تھا تو کسی اور ہی راہ سے بدل گیا تھا' زندگی بھر کام سے لگا رہا اب خواہش سے لگ گیا تھا جو کام نہیں کیا تھا اب وہ کرنا چاہتا تھا اولاد والا بننا چاہتا تھا۔

رات دن گھر میں بند رہتا۔ اٹھ جاتا تو معلق ہو جاتا' سو جاتا تو کھو جاتا' ہوش میں آتا تو رونے لگتا اس کا حال برا تھا' برے حال سے ہی زندہ تھا۔

☼ ☼ ☼

رشید کے گھر کا دروازہ بج رہا تھا' منہ اور آنکھوں کو صاف کر کے وہ اٹھا۔

"مان گئی بھابھی جی۔" جاوید کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"مان جائے گی فکر نہ کر۔ ورنہ میں اسے گاؤں چھوڑ آؤں گا۔"

" نہ ایسا نہ کرنا۔" رشید کو برا لگا۔

"تیرے پاس پیسے ہیں بھی کہ نہیں۔" جاوید کی آنکھیں سکڑیں۔

"چیک بک دکھاؤں۔"

"ہاں۔" جاوید چیک بک دیکھ کر ہی ٹلا۔

"بڑا پیسہ ہے نوری اس کے پاس' دو دو بنکوں میں پیسے رکھے ہیں۔"

"تو" نوری کو کوئی اور سوال ہی نہیں کرنا آیا اب تک۔

"یہ تو' بار بار تو تو کسے سناتی ہے؟" جاوید چیک بک دیکھ آیا تھا اب بھی نہ بھڑکتا۔

"تو کیا کروں۔" وہ رونے لگی۔ "نہیں دل مانتا۔ خراب آدمی ہے نہ جانے اسے کیا سے کیا بنا دے گا پھر کیوں دوں اسے بچہ ضروری ہے کیا۔"

"پگلی ابھی تک نہیں سمجھی۔ ہمارے پاس کیا ہے؟ دوسرے بچے کو کیسے پالیں گے۔ یہ گڑیا کی طرف دیکھ شہر میں رہ کر بھی تجھے عقل نہیں آئی یہ جو بارشوں میں کیڑے نکلتے ہیں ان جیسی ہے یہ اپنی گڑیا شہریوں کے بچے دیکھے ہیں۔ تبھی ہمیں دکان کھول لوں گا گروی پر ایک اچھا گھر لے لیں گے یہ بچہ دن بدل دے گا وہ اسے پڑھائے گا لکھائے گا کیا ہم پڑھا سکیں گے ہم تو کھلا بھی نہیں سکیں گے خود بھی کھائیں گے وہ بھی پلتا رہے گا۔"

نوری چپ ہی رہی آج کل اسے کھانا نہیں پکانا پڑتا تھا جاوید روز بازار سے ہی لے آتا تھا ہر طرح کے گوشت ہی آ رہے تھے۔ مچھلی' تکے' کباب' کڑاہی' کوفتے۔ ہزار قسمیں تھیں گوشت کے پکوانوں کی' وہ دن گئے جب دونوں کو نمک کے ساتھ روٹی کھانی پڑتی تھی اب زیادہ نمک والا گوشت ایک طرف کر دیتے تھے کہ کڑوا ہے۔

چند ہفتوں بعد بارش ہوئی تو آس پاس کے گٹر بھر کر ابلنے لگے' پانی ان جیسے گھروں میں گھس آیا' بدبو متلی سے نوری مرنے کے قریب ہو گئی۔

اب اس بدبو میں گزارا نہیں ہوتا تھا' پیٹ میں جو کچھ بھر بھر کر ڈالا باہر آنے کو تھا۔

رشید آیا' دیکھ کر چلا گیا' پھر آیا' سامان نکال کر باہر رکھا سامان بھی کیا چند چیزیں دونوں کو لے کر ایک خالی گھر آگیا دو کمروں کا صاف ستھرا گھر تھا سامان وہاں لا کر جمایا۔

"خوش بھابھی جی۔" پہلی بار نوری سے سیدھی بات کی تھی اس نے نوری نے سر ہلا دیا۔ دو "ضرورت مند" اکھٹے ہو گئے رشید اور جاوید۔

جاوید نے سبزی کی ریڑھی ہی لگانی چھوڑ دی رزق گھر بیٹھے مل رہا تھا باہر نکل کر کمانے کی کیا ضرورت تھی' تھا ہی نکما جاوید' اس کے بھائی گاؤں میں جانوروں کی طرح رات دن کام کرتے اور وہ ادھر ادھر تانک جھانک میں رہتا اب کہاں کا کام؟ رشید کھلا رہا تھا انہیں' شروع میں وہ چھوٹے سے ایک ہوٹل میں رات دن برتن دھونے پر لگا تھا پھر ٹیبل مین بن گیا۔

"شہر کے لوگ۔" جاوید گالی دے کر کہتا۔ "اتنا کام لیتے ہیں اور چند سکے پکڑا دیتے ہیں۔" اب ٹھیک تھا رشید اسے لاکھ تھما رہا تھا اب سب ٹھیک تھا۔

رشید جاتا تو نوری کو دیکھ کر خفا ہو جاتا۔

"پرے ہٹو۔" جھاڑو چھین کے خود لگانے لگتا' برتن دھو جاتا' بستروں کی چادریں جھاڑتا' جاوید موڑھے پر بیٹھا دانتوں میں تیلی پھیرتا رہتا اور مسکرا مسکرا کر نوری کو چڑاتا۔

رشید کبھی جوس لے آتا کہ تازہ تازہ رس نکال کر پیو۔' نوری سے زیادہ جاوید پی جاتا جگ بھر بھر کر۔ دودھ میں کیلا ڈالا اور پی جاتا' اس دن جاوید کے کان میں سرگوشی کی۔ "بھابھی جی کے پاؤں دبا دے۔" جاوید گلا پھاڑ کے ہنسا۔

"جا تو دبا دے یہ کام بھی تو کر دے۔" رشید کو سانپ سونگھ گیا جیسے سانپ نے ڈس لیا۔ "اب کہا تو زبان کھینچ لوں گا۔" جاوید سچ مچ ڈر گیا۔

"بازاری تو میں ہوں پر لگتا ہے تو بھی نیا نہیں۔" جاوید اندر تک بھڑک اٹھا لیکن پانچ لاکھ کا سوچ کر چپ رہا ورنہ اتنی بڑی بات پر ہاتھ پکڑ کر باہر کرتا کنڈی لگا کر آرام کرتا لیکن کمینی ہنسی ہنس کر چپ رہا۔

خالص دودھ' تازہ جوس اور ملک شیک پینے والی نوری پانی پیتی تو متلی ہوتی۔ دال روٹی کا سوچتی تو دل گھبراتا' جاوید گھر ڈھونڈ رہا تھا تین لاکھ گروی پر سودا ہوا رشید نے جھٹ تین لاکھ نکال کر پکڑا دیے' ڈھونڈ ڈھانڈ کر دائی کا انتظام کیا جس کمرے میں نوری پڑی کراہ رہی تھی اسی کمرے کی چھت پر رشید ہاتھ جوڑے لڑکے کے لیے التجا کر رہا تھا لڑکی اسے خود ہی نہیں لینی تھی وہ صرف ایک لڑکا ہی لے کر پال سکتا تھا۔

رات کا پچھلا پہر تھا جاوید نے رشید کو آواز دی' رشید بھاگا نیچے آیا۔

"جا نکل جا دوبارہ کبھی ہمیں اپنی شکل نہ دکھانا۔" پاک ناموں کا ورد کرتے ہوئے رشید نے اپنے بازوؤں میں بچے کو تھام لیا اور سینے سے لگائے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ وہ سارے انتظام پہلے ہی کر چکا تھا' بچہ ملتے ہی شہر سے نکل گیا بے شک وہ گھر میں بند رہتا تھا پھر بھی بہت لوگ اسے جانتے تھے۔

☼ ☼ ☼

نوری کئی دن خاموش رہی' چلنے پھرنے لگی تو اسے جاوید بازار لے گیا جس چیز پر ہاتھ رکھا وہ لے کر دی۔ فریج' ٹی وی' بیڈ' قالین سب مل گیا اپنی سیکنڈ ہینڈ موٹر سائیکل پر جاوید اسے لیے لیے گھوما' بازاروں میں' ہوٹلوں میں' پارکوں میں نئی نئی چیزیں کھلائیں' نوری نے کبھی سمندری جھینگا نہیں کھایا تھا وہ تک کھلایا' نوری دنوں میں ہٹی کٹی ہو گئی روز نئے نئے کپڑے پہن لیتی رات کو چند بار رو لیتی پھر چپ کر جاتی' شاموں اور دوپہروں میں آہیں بھرتی جاتی اور سیب کیلا کھائے جاتی اور جلدی جلدی چکنے فرش پر گیلا کپڑا لگائے جاتی۔ آئینے کے سامنے بیٹھتی آنکھوں کے گرد حلقے دیکھتی اور کوئی نا کوئی کریم اٹھا کر منہ پر لگا لیتی۔ رشید نے پانچ لاکھ کا کہا تھا پورے آٹھ لاکھ دے کر گیا تھا اتنا مہنگا گوشت کالو تھڑا خرید کر لے گیا تھا۔

بچے کی پیدائش کے تین دن بعد ایک ٹولہ ان کے گھر آدھمکا تھا جاوید نے تو صاف انکار کیا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ وچہ نہیں آیا گرو نے زور سے تالی پیٹی۔

"ہائے میری میا پیسے دھیلے پر سواہ ڈال بچے سے انکاری ہو رہا ہے' ہم پکے کام کرتے ہیں خبر نہیں ثبوت کے ساتھ آتے ہیں۔ لاؤں کیا اس دائی کو یہاں بول پھر بولے گا کہے گا پھر کہ کوئی بچہ وچہ نہیں۔ چل چھٹکی تو شروع ہو۔ ذرا آواز نکال باہر کی طرف آس پڑوس ہی اکھٹا کر لے۔ دادا' نانا تو یہاں کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"میں نے کہا نکلو یہاں سے۔" جاوید بھڑک اٹھا۔

"کوئی بچہ نہیں ہے یہاں۔" جاوید نے گھنگھرو باندھتی چھٹکی کو دھکا دیا وہ فرش پر گر گئی۔

"اے" چھٹکی نے گالی دی اور تیوری چڑھائی۔

"آئے ہائے" گرو بھی بھڑک اٹھا تالی پر تالی بجانے لگا' چھٹکی بھی تالی بجانے لگی۔ ڈھولکی استاد بھی اٹھ کھڑا ہوا سب زور زور سے تالی بجانے لگے۔ تالی کا یہ وہ انداز تھا جو وہ غصہ' غم' دکھ اور سوگ میں پیٹتے ہیں۔

"او میری میا جیسے' ٹھائے بچہ نکل رہا ہے۔" وہ صحن سے اندر کمرے میں جانے لگی جاوید نے دھکا دیا ایک کو' چھٹکی پھر دیوار کے ساتھ جا لگی دھکا کھا کر گرو الٹا جاوید کو دھکا دے کر اندر کمرے میں آگیا۔ نوری چارپائی پر لیٹی تھی اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکی۔ تالیوں کی گونج کمرے میں پھیل گئی دروازے پر جاوید ڈھولکی استاد کے ساتھ الجھ رہا تھا۔

"اے چھٹکی یہ رہی زچہ' اسے خدا مبارک کرے۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے نوری کی بلائیں لیں۔

"چاند کے ٹکڑے کے درشن کرواؤ آٹا' چینی' چادر منے کا ہاتھ لگوا کر دے دیو۔ یہ تو بھڑکے جا رہا ہے ہمارا بھی حق ہوتا ہے ناچ لیں گے' گا لیں گے' ہزار پانچ سو لے کر چلے جائیں گے۔ اے ہے چھٹکی چل شروع ہو یہ رہی زچہ لا بھئی دے بچہ گود میں بٹھا کر ایسی لوری دوں گی سارے رونے بھول جائے گا راج کرے گا راج۔"

"نہیں ہے منا۔" نوری سے کہا ہی نہ گیا کہ مر گیا منا نوری جس طرح چلائی' ایک پیر کو اٹھائے رقص کے انداز میں گھومتی چھٹکی ہاتھ پیر روک کر اسے دیکھنے لگی گرو تو بھڑک اٹھا نوری کا بستر ٹٹولا گڑیا ڈر کر رونے لگی جاوید گالیاں دے رہا تھا ہاتھا پائی کر رہا تھا نوری بستر میں دبکی جا رہی تھی اسے گرو سے ڈر لگ رہا تھا۔

"لڑکا ہوا ہے گھر سونا پڑا ہے نہ کوئی دادی' دادا نہ نانی' ماموں اتنے بھی غریب تمہیں لگتے۔" اس نے ہاتھ کھول کر چاروں طرف اشارہ کیا۔

"دو دن پہلے رات کو بچہ آیا پیارا سا چاند سا منا کہاں گیا' اے چھٹکی پتا کر کہاں گیا منا کہاں چھپایا ہے چاند" چھٹکی چارپائی کے نیچے جھک گئی۔

"یہاں تو نہیں۔" چھٹکی نے دونوں کندھے مٹکائے' انگلی کو ٹھوڑی پر رکھا۔

"کہاں گیا۔" گرو بار بار تالی بجا رہا تھا۔

"اے منے تو ہی بول کہاں چھپا ہے منے" نوری کے کان پھٹنے کے قریب ہو گئے پھر چھٹکی اور گرو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ہیجڑے ضرور ہیں الو کے پٹھے نہیں۔" گرو بولا جس انداز سے وہ بولا جاوید ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ اندر آیا اور نرمی سے بولا۔

"اس کی بہن بے اولاد تھی وہ لے گئی۔"

"اور یہ اتنے دل گردے والی تھی کہ اپنا پہلا ہی بیٹا بہن کو تھما دیا۔" تالی بجا کر تینوں ہنسے۔ "دوسروں کو اولاد دینے والی بڑی دیکھی ہیں لیکن پہلا پھول کسی کو دیتے نہیں دیکھا چل آ اس کی بہن کے ہاں چلتے ہیں۔ وہاں سے بدھائی دلوا ہمیں چل۔" گرو نے جاوید کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔

"چل آ۔"

"وہ دوسرے شہر رہتی ہے۔ گوجرانوالہ۔" جاوید ہکلا گیا۔

"چل ٹھیک ہے' اپنی برادری وہاں بھی بہتیری ہے تو پتا دے میری برادری والے بدھائی لے لیں گے۔"

"بہت پرہیزگار ہیں وہ۔ تمہیں گھسنے نہیں دیں گے۔"

اس بات پر وہ تینوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسے۔

"بدھائی دیتے کسی کو گناہ نہیں ہوتا سارے گناہ ہم نے اپنے سر لے لیے ہیں تو بے فکری رہ تو پتا دے۔" اس نے ہاتھ آگے کیا۔

"دے چل۔" جاوید پھر بھڑک اٹھا۔

"نکلو یہاں سے۔ دفع ہو جاؤ۔" وہ گالیاں دینے لگا گرو تو اور بھڑک اٹھا۔ اپنی پاٹ دار آواز میں دہائیاں دینے لگا۔ تالیاں پیٹتا رہا صحن میں آگیا اور چلا چلا کر منا منا کرتا رہا۔

"کھا گئے' دبا گئے' دفنا گئے' جلا ڈالا یا بیچ ڈالا۔ کہاں گیا منا او میری میا ہیجڑے تو ہم ہیں بدھائی کون لے اڑا۔ کون کھا گیا گوری کی بدھائی کس کے پیٹ میں گئی بدھائی۔"

استاد زمین پر بیٹھا ڈھولکی بجا رہا تھا دونوں کھڑی ہو کر صحن میں گول گول گھوم کر دہائیاں دے رہی تھیں باہر محلے والے آ آ کر تماشا دیکھنے لگے جاوید نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا بہت دیر تک تماشا ہوتا رہا۔ کچھ دیر بعد جاوید کو عقل آئی کمرے سے نکل کر باہر کا دروازہ بند کیا دو ہزار نکال کر ان کے ہاتھ میں دینے چاہے۔

"یہ لو اور جاؤ۔"

"بھیک لینی ہوتی تو ہیجڑے نہ بنتے۔" گرو نے جاوید کا ہاتھ جھٹکا۔

"تیری دال میں بہت کچھ کالا ہے۔ گوری کو بہت سے لوگوں نے دھتکار کر نکالا۔ لیکن بنا منے کے ملنے والی یہ دھتکار گوری ہمیشہ یاد رکھے گا۔ ان پیسوں کو اپنی اور اپنی جورو کی گودی میں رکھ 'منا تو رہا نہیں جسے تم گودی میں لیے لیے پھرو'اے منے تجھے آسمان لے اڑا یا زمین نگل گئی ارے منے تو کہاں گیا۔"

منا' منا کرتا وہ چلا گیا رات گئے تک گھر میں منا منا ہوتی رہی محلے والوں سے جان پہچان نہیں تھی لیکن باری باری سب آئے جاوید نے سب کو نکال باہر کیا۔ پہلی فرصت میں گھر بدلا وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا پرچون کی دکان کھول لی دکان پر ایک لڑکا دن بھر بیٹھا رہتا اور خود ایک اسکول میں کینٹین کا ٹھیکا لے لیا تھا اچھا خاصا بڑا اسکول تھا دنوں میں ہی اچھا منافع ہونے لگا تھا رات گھر آتا تو کھانے سے پہلے پیسے گنتا نہانے سے پہلے کل آنے والے پیسوں کا حساب کرتا اور سونے سے پہلے آچکے اور آنے والوں کا اچھی طرح پھر سے حساب کر کے سوتا۔

وہ کوفتے بناتی یا کھیر۔ جاوید کو ہر چیز میں پیسوں کا ہی مزا آتا اس کا ہاتھ پکڑتا جیسے سونے کے پہاڑ کی ڈلی مٹھی میں لے لی ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہتے تھے۔ اچھا کاروبار بن گیا پیٹ تین وقت سے زیادہ بار بار بھرنے لگا منے نے جہاں جانا تھا وہ تو چلا گیا نا' پہلا سودا ٹھکانے لگا۔

☼ ☼ ☼

تھوڑا منافع ہوا تو اس نے ایک اچھے علاقے کے بڑے اسکول کا ٹھیکا لے لیا گھاگ تو وہ پہلے ہی ہو چکا تھا کینٹین سے اسٹاف روم تک گھسنے لگا بلاوجہ کی علیک سلیک بڑھانے لگا سارا وقت اپنے آپ میں ہی گم رہتا بھاگ دوڑ میں لگا رہتا۔ دراصل اسے پیسہ کمانا آگیا تھا۔ ہوٹلوں میں برتن دھوتے' ٹیبل مین بنے' گلی گلی سبزی کی ریڑھی گھماتے اس کی زبان کو پر لگ گئے تھے۔ لیکن بولتا بھی دیکھ بھال کے تھا اور کس سے بولنا ہے یہ تو ضرور ہی دیکھ لیتا تھا۔ آئے دن کھانا کھاتے اسٹاف کی میڈموں کی باتیں کرتا اِس کی سنا اُس کی سنا چھ سال ہو گئے میڈم کی شادی کو' پہلی رات کی بات' یہ اونچی لمبی گوری چٹی آنے والے دنوں کی بات امریکہ تک گئی علاج کروانے بڑی نازک مزاج ہیں چائے کی پیالی سے ایک قطرہ بھی چھلک جائے تو چائے نہیں پیتی۔ پرے کھسکا دیتی ہیں نجانے سب کے سانسوں سے رچی اس ہوا میں کیسے سانس لیتی ہیں۔" وہ بلاوجہ ہنسا۔

"میڈم کی چائے تو بناتا ہے۔" نوری الٹی ہی بات پکڑتی تھی۔ "میں کیوں بنانے لگا اسکول کا باورچی بتا رہا تھا۔"

"تو اس سے میڈم کی باتیں پوچھتا رہتا ہے۔"

"نہیں پاگل۔" وہ چڑ گیا "مجھے معلوم ہو جاتا ہے بہت کچھ آپو آپ ہی۔" وہ پھر ہنسا۔

"تو کیوں معلوم کرتا پھرتا ہے اس کے بارے میں۔" جاوید نے نوالہ پلیٹ میں پٹخا۔

"کیا سنے گی مجھ سے؟"

"کتنے پیسے دے رہی ہے وہ۔" نوری جم کر بولی۔ جاوید نے نوالہ اٹھالیا سوچا کھا کر بات کرے منہ کھول کر نوالہ اندر کیا آرام سے چبایا۔

اتنی جلدی کہاں کی ہے۔

نوری اسے چار سال تک چھپا چھپا کر اپنے گھر کے گودام میں لاتی رہی تھی' وہ تو اس کی رگ رگ سے واقف تھی اب یہ سوال کیسے نہ پوچھتی۔

"کہتی ہے گلشن اقبال میں تین مرلے کا ایک پلاٹ ہے۔" جاوید کوئی ڈرتا تھا نوری سے' اسے تو بیچنے کے بھی گر آنے لگے تھے' محبت کا اندازہ ہو چکا تھا پیسے سے عشق ہو گیا تھا۔

کہیں دور پہاڑوں پر' گاؤں' قصبوں میں اور دور صحراؤں میں رہنے والے بڑا سمندر سمندر کرتے ہیں سوچتے ہیں نیلے سمندر کو دیکھیں گے تو کیسا لطف آئے گا' پانی سے پیر بھیگیں گے تو کیسا لگے گا وہ رات دن سمندر سمندر کرتے پھرتے ہیں خواب دیکھتے آہیں بھرتے ہیں تک و دو کرتے' آنے جانے والوں سے سمندر کا احوال پوچھتے پھر جب وہ خود سمندر کے کنارے تک آجاتے ہیں تو خوف کھا جاتے ہیں متلی ہونے لگتی ہے سمندری ہوا بری لگنے لگتی ہے۔ سمندر منہ کھول نگل لینے والا نظر آنے لگتا ہے۔

اور کچھ جو سمندر سے خوف کھائے ہوتے ہیں وہ پانی میں ڈبکی پر ڈبکی لگا رہے ہوتے ہیں تو یہی کچھ انسان ہے جب تک دور ہے تب تک پتا نہیں ہے کہ وہ کیا ہے سمندر جو کہ وقت' زمانہ' حالات' خواہشات ہیں قریب آنے پر ہی پتا دیتا ہے کہ انسان کا اصل ہے کیا۔

جاوید گاؤں کا تھا ہوٹل میں برتن دھوتا تھا سبزی لگاتا تھا اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا ہے رشید کے ملتے ہی وہ نقل سے اصل ہو گیا بہروپ سے روپ میں آگیا' اصل سمندر میں ڈبکی لگائی تو سب دھل کر صاف ہو گیا۔ رشید کے بعد نوری کو بتائے بغیر وہ ایک اور گاہک کی تاک میں تھا ایسے ہی — اسکول کے ملازموں سے پوچھتا پھرتا تھا۔ میڈم گوہر کی بے اولادی کا پتا چلا تو اس نے میڈم گوہر پر باقاعدہ نظر رکھنی شروع کر دی۔ میڈم گوہر سے علیک سلیک بڑھائی۔ عادت کی اچھی تھی وہ' اسکول میں وائس پرنسپل تھی جوان تھی خوب صورت تھی' اگر کہا جائے کہ بھولی بھی تھی تو غلط نہیں ہو گا۔

"یتیم خانے سے کیوں نہیں لیتی"۔ نوری نے پوچھا۔

"کہا تو ہے گند میں ہاتھ نہیں ڈالتی۔ حلال کا چاہیے اسے۔" جاوید آرام سے دل لگا کر کھانا کھانے لگا وہی بکرے کا گوشت اور فرائی مچھلی۔ کتنے آرام سے وہ کاروباری باتیں کر رہا تھا نوری کب سے اپنا کھانا چھوڑ چکی تھی۔

"تجھے شرم نہیں آتی۔" نوری کو کچھ شرم آگئی۔

"کہاں کی شرم.... منہ میں زبان ڈال ورنہ مجھے ڈالنی آتی ہے۔"

"ایک کا سودا کر تو لیا اب ہر ایک کا کرے گا۔"

"ہاں! ہر ایک کا کروں گا بھلے کا کام ہے ضرور کروں گا۔ بھلا کرتا ہوں لوگوں کا دل تڑپتا ہے ان کے دکھوں پر۔"

"بھلے کے نام پر پیسے کیوں لیتا ہے۔" نوری تڑخی۔

"خوشی سے دیتے ہیں وہ' کمینہ نہیں ہوں میں۔ تو کیا جانے بے اولادی کا دکھ' تیری تو ہر سال کوکھ بھر جاتی ہے۔"

"اجڑ بھی جاتی ہے۔" نوری کو منا یاد آہی گیا۔

"کہاں کا اجڑنا.... عیش نہیں کر رہی۔"

"وہی تو کہہ رہی ہوں۔ عیش کر رہے ہیں نا۔ گاؤں سے نکلے تو چار چار وقت روٹی نہیں ملتی تھی اب چار مہینے کا سامان رکھا ہے باورچی خانے میں پکانے کو۔ گھر بھرا پڑا ہے۔"

"یہ سب میری محنت سے آیا ہے۔"

"بچہ میں نے جنا تھا۔" دونوں مقابلہ کرنا چاہتے تھے کہ دراصل یہ سب جو عیش ہے یہ کس کی وجہ سے ہے۔

"ہاں تو میں جن لیتا۔" جاوید چلایا۔ "کس پہ اترا رہی ہے پیچھے سے لائی ہے یہ بچے۔"

"پیچھے سے لاتی تو تجھے سودا کرنے دیتی۔" جاوید نے لپک کر اس کی چوٹی پکڑلی چار پانچ گالیاں دیں اسے اور پٹخ کر چلا گیا وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد آیا اسے اٹھایا، بٹھایا، آنکھیں اور منہ صاف کیا۔

"تو میری نوری نہیں۔"

جب دونوں میں پیار کی پینگیں بڑھنی شروع ہوئی تھیں تو جاوید اسے نہ جانے کے لیے ہاتھ پکڑنے کے لیے پاس بٹھانے کے لیے اور ایسے ہی بہت سے ڈھکے چھپے کام کروانے کے لیے لاڈ سے کہا کرتا تھا اور نوری فوراً" اترا کر کہتی تھی۔ "نہیں" مطلب ہاں، پکی ہاں، عورت تھی جلدی مان جاتی تھی۔

"میری محبت پر شک ہے تجھے۔ بے چاری میڈم کے دکھ کا سوچ، محبت کی شادی کی تھی، دوسری بیوی ہے اپنے صاحب کی، شوہر خود اولاد والا ہے یہ اکیلی تڑپتی ہے کہہ رہی تھی کہ بچہ مل جائے تو اسے لے کر اپنے ماں باپ کے پاس کینیڈا چلی جاؤں گی۔ خود سوچ کینیڈا میں کتنے عیش سے رہے گا وہ۔ گاڑی۔ گھر ہمارے پاس نہ سہی اس کے پاس تو ہوگا، اتنی بے چاری نہ بن۔ اس عورت کا بھی سوچ تو بھلا کردے گی اس کا تو تیرا کیا جائے گا۔"

نوری ہنستی رہی اٹھ کر نہ گئی۔ جاوید نے اس کے گرد ہاتھوں کا حلقہ مضبوط کیا، نوری اس حلقے میں اندر تک مدغم ہو گئی۔

"مجھ سے تو میڈم کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ ورنہ یہ گڑیا تین کی ہوئی ہے نا ابھی اسی کی بات کرلیتا ہوں۔" نوری نے فوری ہاتھ بڑھا کر جاوید کا منہ بند کردیا۔

"گڑیا کا نام نہ لینا۔"

"چل پھر تو اس کی تیاری کر، دل سے سمجھ لے تو نے کسی اور کا قرض دینا ہے۔"

"کس کا؟" نوری نے اتنا بڑا طنز کیا کہ جاوید کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

"دیکھ نوری مجھے ایسے طیش نہ دلوا۔ قسم خدا پاک کی، میں تجھے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ دکان اور کاروبار ہیں میرے پاس کہاں جائے گی تو۔ بھتیری عورتیں مجھے اور نہیں تو یہ فٹ پاتھوں پر بنجارنیں جھولتی پھرتی ہیں انہی میں سے ایک کو گھر لا بٹھاؤں گا۔ مجھے سکھ کھلتا ہے دکھ تجھے بھلے باہر نکل کر گلی گلی جاکر کمانا پڑے نا تو تجھے پتا چلے یہاں گھر بیٹھی تو سارا دن ٹی وی دیکھتی ہے تو اس پیٹ کو قرض سمجھ لے جسے تجھے چکانا ہے۔ بھولی پگلی۔" جاوید نے ہاتھ بڑھا کر اسے سینے سے لگایا۔

"یاد نہیں گاؤں کی حاجن بی۔ اوپر تلے کے اپنے دو بیٹے دیے تھے ایک تو ساتھ والی پڑوسن کو دیا تھا جو ہر وقت حاجن بی سے لڑتی رہتی تھی روتی پیٹتی رہتی تھی رات دن بین کرتی رہتی تھی کیسے پھر گڑ والے چاول پکا پکا کر بانٹا کرتی تھی یہ سامنے کا گھر ہی تھا نا حاجن بی کا تو کیا سانپ لوٹتے ہوں گے ان کے سینے پر کیسی راضی تھیں وہ، کیسا نور برستا تھا گاؤں بھر نے تعریف کی تھی تو کیا وہ بچہ دینے سے بری بن گئی، ہم کہاں کے برے دوسروں کی آس مراد ہم سے پوری ہو رہی ہے تو میں اسی میں راضی بارضا ہوں۔"

نوری بمشکل سترہ سال کی تھی جب جاوید کے ساتھ گاؤں سے بھاگی تھی۔ جاوید ہٹا کٹا بیس بائیس کا ہوگا پر لگتا چھ سات سال بڑا ہی تھا اصل عمر سے۔ گاؤں میں ان کا چکر بہت دیر رہا بہت جگہوں پر ملے جاوید تو کہتا تھا سارے گاؤں کو آگ لگا دے گا اگر نوری کے گھر کوئی اور بارات لایا۔ بارات تو خیر کسی کی نہ آئی، دونوں اپنی بارات لے کر شہر آگئے۔

جس رات جاوید نے اسے کہا کہ شہر بھاگ چلتے ہیں اسی رات کے پچھلے پہر دونوں بھاگ گئے۔ سوچنا کیسا، سورج کے اشارے پر جس طرح دن نکلتا ہے ایسے ہی نوری جاوید کے اشارے پر چلتی تھی۔ گاؤں میں اس نے اپنی پکی سہیلی کو بھی ہوا نہ لگنے دی کہ اس کا جاوید کے ساتھ چکر ہے اتنے سال اس کے گھر والے اسے

چپ، چھپتی گائے سمجھتے رہے وہ دو دو گھنٹے جاوید کے ساتھ گزار آتی اماں بے فکر رہتی، ہوگی دس بارہ سہیلیوں میں سے کسی کے پاس، اماں اسے پچھلے پہر اپنی دو آنکھوں سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیتی تو بھی یقین نہ کرتی کہ یہ نور فاطمہ نوری بھاگی جا رہی ہے۔ سارا دن زبان منہ میں دیے بھیڑ بکریوں کی طرح کام کرنے والی نوری خاندان کے ہر چھوٹے بڑے لڑکے کو بڑھ بڑھ کر بھراجی، بھراجی کہنے والی کسی چھوکرے کے ساتھ رات گئے بھاگ رہی ہے۔

نوری کے لیے تو جاوید ہی ناخدا تھا، جی جان لگا کر اس کی پرستش کرتی جاوید تو خیر کیا ڈرتا اسے ضرور ڈرا کر رکھتا اس کے باپ اور بھائیوں کے ہاتھوں مرجانے سے، وہ اسے کہتا کہ وہ تو بھاگ جائے گا گردن تو نوری کی جکڑی جائے گی اور پھر منہ کھول کر پرانے انجن کی سی آواز لیے ہنسنے لگتا نوری واقعی ڈر جاتی، سو سو بار اس سے پوچھتی، قسمیں لیتی۔

"تو مجھے چھوڑ کر بھاگے گا تو نہیں، بتا بول نا۔"

اور وہ انجن چلائے ہی جاتا۔ جب وہ رونے لگتی تو وہ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتا۔

"اگر تیرے بھائیوں نے میری گردن دبوچ لی تو۔۔۔ تو بھاگ جائے گی" نوری فوراً" سر نفی میں ہلا دیتی ساتھ جینے مرنے کی قسمیں ابھی یاد تھیں۔

"پھر میں کیسے بھاگ سکتا ہوں تو میری نوری میں تیرا نور۔ بات ختم۔" جاوید نوری کو سینے میں چھپائے پیار کی لوری سنا رہا تھا جو عورت محبت میں غرق ہو جاتی ہے وہ غلط درست سے تو پرے ہی ہو جاتی ہے نا، وہ محبت ہی کیے جاتی ہے۔ محبت ہی کیے جاتی ہے۔ کسی کام کی نہیں رہتی اسی لیے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرپاتی اب یہ نہیں تھا کہ جاوید ہی بے غیرت تھا، نوری اپنی سہیلیوں کی نظریں بھٹکا کر بندے، ہار چرانے والی، بھابھی ذرا ادھر ادھر ہوتی اور ان کے میکے سے آئے مربے منہ میں بھر لیتی دور پرے رہنے والی پھوپھی یا خالہ کے ہاں جاتی تو چھوٹی بڑی ہزاروں چیزیں اٹھا لاتی۔ حاجن بی قرآن خوانی کرواتیں تو سستی کی ماری ایک،

ایک، دو، دو صفحے چھوڑ کر سپارہ پڑھتی اور باقی کا سارا وقت ہونٹ بلاوجہ ہلاتے اونگھتی رہتی۔ اماں کہتی نوری ابالے پر ابالا آجائے دودھ اچھی طرح سے کڑھ جائے تو ہی اتارنا۔" وہ ایک ہی بار دودھ ابال ایک طرف رکھ پھر قسمیں کھائے کہ اتنا تو کڑھ گیا تھا جب ہی اتارا۔

نوری میں بڑے چور در تھے۔ ایسے ہی نہیں اماں کے فرشتوں کو بھی سلا کر وہ جاوید سے کئی کئی بار مل آتی۔ صحن میں بھائی سو رہے ہوتے اور وہ سامنے کے ہی دروازے سے جاوید کو لا کر گودام تک لے جاتی بوریوں کے پیچھے گھپا سی بنا رکھی تھی وہیں جاوید چھپا بیٹھا ہوتا پچھلے پہر جاوید چلا جاتا اور مجال ہے کہ کوئی اتنا سا بھی دعوا کردے کہ رات کون اٹھ کر چل دیا تھا یا باتیں کر رہا تھا یا فلاں کھڑک ہوا۔

بڑی بھابھی ذرا تیز تھیں ادھر ادھر نظر رکھتی تھیں انہیں بھی اندھا کیے بیٹھی تھی نوری، گودام کی گھپا میں وہ جاوید کے ساتھ لیٹی رہتی، اسے کھلاتی، پیار کی لوری سناتی، دونوں باہم تھے، مشترک تھے، بڑے سیانے تھے، کیا اچھا ہے کیا برا ہے اس کی کسے پڑی تھی کیا چاہیے اور کیا نہیں وہ اس کی عقل رکھتے تھے، ماں باپ کو بے وقوف بنا رہے تھے، انہیں گالیاں دیتے تھے، نوری اپنی اماں تک کی برائیاں جاوید سے کرتی جسے صرف وہ اور جاوید ہی آسمان سے ایک ساتھ اتارے گئے تھے باقی سب گند بلا ہیں۔

جاوید ادھر ادھر ہاتھ صاف کرتا رہتا تھا فخر سے نوری کو چوری کا مال دکھاتا یہ اتنے کا ہے یہ اتنے کا ہے، مال کی قیمت نوری کو بتاتا اور پھر اس مال سے سگریٹ لیتا عیش کرتا دونوں میں بہت ناکارہ عادتیں تھیں، دونوں ایک دوسرے کے لیے درست تھے، ٹھیک کرتے تھے، ٹھیک سوچتے تھے۔ نوری کا جی چاہتا جاوید کا تعویذ بنا کر پہن لے جلد سے جلد شادی ہو جائے لیکن اس کے بھائی اسے مار دیتے لیکن غیر برادری میں رشتہ نہ دیتے اور دے بھی دیتے شاید۔۔۔ لیکن دونوں الگ دنیا بسانے کا ہی سوچے بیٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

ساتواں مہینہ آیا تو جاوید سارے کام دھندے چھوڑ چھاڑ کر اسے لیے لیے پھرتا۔ یہاں کھلا' وہاں کھلا یہاں گھوما وہاں گھوما نوری گلاب کی طرح کھلی رہتی دونوں نے اپنے اپنے ذاتی فلسفوں سے ماں اور باپ کو سلا دیا تھا اب دونوں انسان بنے پھرتے تھے وہ انسان نہیں جس کے نام پر کائنات بنی..... شاید وہ انسان جس کے لیے دوزخ بنانے کے بارے میں سوچا گیا۔ جاوید رات گئے چندی آنکھوں سے نوری کو سوتے دیکھتا۔ دن گنتا..... پیسے' ضرب..... جمع اور تفریق کرتا؟ اس کا جی نہ بھرتا بار بار ضرب جمع کیے جاتا۔

دو چور' دو ڈاکو' دو لٹیرے نوری جاوید۔

☼ ☼ ☼

نوری نے دیکھا کہ جاوید بڑا پھنے خان بنتا ہے نا بچے وہ جنے اور روڈا وہ بنے۔ اس نے جاوید کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"کتنے کا ہو گا وہ تین مرلے کا پلاٹ۔"

"قیمت نہیں لگوائی میں نے۔" جاوید کو غصہ آ گیا۔

"تو لگوا جا کر میں نے کیا یہاں اتوار بازار کھول رکھا ہے۔ ٹھیلے پر بیٹھی ہوں کیا آؤ جی آؤ لیتے جاؤ جو جی چاہے دیتے جاؤ۔"

"او پگلی جانتی ہے تین مرلے کتنے ہوتے ہیں؟"

"جتنا ہمارا گودام تھا۔" نوری سب جانتی تھی۔

"اپنے اس پنڈ کے گودام کی دو کوڑیاں لے لے مجھ سے۔ پتا ہے یہاں زمین کا بھاؤ۔"

"مجھے اس زمین کے بھاؤ کا پتا ہے۔" اس نے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ پلاٹ کی طرف میں ہی لایا اسے..... سودا نہیں کر رہی وہ۔ میں نے کہا ایک بچی ہے بے گھر ہوں..... یہ ہوں وہ ہوں۔ کتنے جھوٹ سچ بولے افسوس ہی کرتی رہی بے چاری' اس لائن پر تو میں لایا اسے اب کیسے بھاؤ تاؤ کر لوں۔ بس ٹھیک ہے جو ہے۔"

پرائیویٹ کلینک کے ویٹنگ روم میں جاوید نے میڈم کے ہاتھوں میں بچی تھمائی جسے گود میں لیتے ہی وہ رونے لگی چومنے لگی' افسوس کرنے لگی۔ جاوید اسے اب ملا پہلے کہیں مل جاتا تو اتنا عرصہ اکیلے نہ گزارتی' اگلے دن جاوید اس کے گھر بچی واپس لینے گیا ساری رات تو میڈم گوہر بچی سارہ کو گود میں لیے بیٹھی رہی تھی اس کی تصویریں بناتی رہی تھی اب جاوید آ گیا تھا واپس لینے۔ کیوں؟

اب ٹھیک وقت آیا تھا بھاؤ تاؤ کرنے کا۔ واپسی کا ہی سن کر گوہر کا دم نکل گیا۔ ایک ہی رات میں وہ اس کی سچ مچ کی ماں بن گئی تھی اپنا آپ وار کر بھی اس سے الگ نہ ہوتی' اس کا شوہر اس کے اس اقدام سے خوش نہیں تھا اور ایک عرصے سے دونوں کے درمیان یہی چپقلش چل رہی تھی اب گوہر نے اکیلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا..... اکیلے کیا..... جاوید ملا اس نے راستہ دکھایا کہ شریفوں کا بچہ ملنا کون سا مشکل ہے' چھوڑے شوہر کو۔ وہ خود تو اولاد والا ہے آپ کا دکھ کبھی نہیں جانے گا اور نہ ہی کچھ کرنے دے گا' بچوں کے اخراجات سے بچتے ہیں اب آپ خوب صورت ہیں جوان ہیں سوچتے ہوں گے ایسے ہی ٹھیک ہے' بچوں کی دم کیوں لگانی ساتھ۔ اصل بیوی سے اولاد پر فخر کرتے ہوں گے گوہر تو اب کبھی سارہ واپس نہ دیتی ایک ہی رات میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ زندگی کیسے بدل جاتی ہے۔

جاوید پر غصہ تو آیا لیکن اب وہ کیا کرتی سارہ کے لیے اس نے اسے پلاٹ' اور چند لاکھ اور دے دیے اور جھٹ کاغذات بنوا کر کینیڈا چلی گئی۔

جاوید نے پلاٹ بیچ دیا دکان خالی کی اور لاہور آ گیا پہلے وہ فیصل آباد میں تھا' کرائے کا گھر لیا اور اچھے علاقے میں اسٹور کھول لیا۔

نوری چند دن روئی' دل مسوس کر رہ گئی لیکن میووں والے منہ کے ساتھ چپکی رہی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ بچہ بیچنے والی تھی..... توبہ۔ بس وہ بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے ایسا کر رہی تھی' بے اولادوں کی مدد کر رہی تھی۔ بچے خوش تو بچوں کے ماں باپ خوش۔

بڑے فلسفے تھے نوری کے پاس اب تو۔ باتیں گڑھنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ جتنی چاہے اپنی مرضی کی کشید کیے جاؤ۔ اپنی ہی مرضی ہے جہاں چاہے چلا لو۔

جاوید نے اسٹور کھولا تو تازہ ڈبل روٹی' انڈوں' مکھن کی روز صبح ترسیل کا کام بھی شروع کر دیا' کالونی کی کوٹھیوں سے فون آ جاتا کتنا کیا چاہیے۔ کوٹھی نمبر' لین نمبر اور سب ان کے گھر پہنچ جاتا۔ صبح صبح وہ یہی کام کرتا۔ باقی کا دن کام والے دو لڑکے اسٹور دیکھتے وہ ادھر ادھر کسی ایسے کام کا پتا کرتا پھرتا جس میں وہ دو پیسے لگا سکے اور منافع زیادہ ہو جائے۔ بہت علیک سلیک ہو گئی تھی اس کی کالونی کی بیگمات کے ساتھ' آتے جاتے ان کے حسن اور طریقے سلیقے کے قصیدے پڑھتا رہتا۔ ان کے گھروں کو دیکھتا رہتا۔ گاڑیوں کو گنتا رہتا ایک پستول بھی خرید لیا تھا اس نے۔ پاس رکھتا' نوری کو ڈراتا' اب خود ڈرنے لگا تھا نوری کے گھر والوں سے' گبرو جوان تھا پہلے تو کبھی ایسے نہیں ڈرا تھا' کہتا تھا دو پیسے آ جائیں تو ڈرنا ہی پڑتا ہے' کوئی میری جان فضول میں کیوں لے گا' دولت کے لیے ہی مارے گا نا۔

نوری سارا سارا دن چرتی رہتی۔ کھا کھا کے گائے بن رہی تھی' کہتی تھی گھر جاؤں گی اپنے ٹھاٹ دکھاؤں گی انہیں۔

"ہونہہ کتنی لڑائی کی تھی بھابھی نے کہ میرے ٹرنکوں میں گھس کر میری چیزیں کھا جاتی ہے' منہ پر مار آؤں گی وہ ساری چیزیں کھاتی پھرے گی سارا سال۔"

جاوید سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں اگر انہیں دکھا آئے اپنے ٹھاٹ تو ڈر بھی جاتا رہے' پستول رکھی کھلی الماری کو بھی تالا لگا دے گا وہ پھر۔"

جاوید نے کرائے پر ایک کار لی اور نوری گڑیا کو بٹھا کر گاؤں لے آیا' پہلے اپنے گھر گیا' ماں نے بٹھایا ماتھا چوما گڑیا کو گود میں بٹھایا' نوری کو منہ بھی نہ لگایا۔ بھاوجیں..... آئیں چار باتیں دونوں کو سنا کر چلتی بنیں بھائی گھر ہی نہ آئے' باپ ایک طرف بیٹھا حقہ پیتا رہا جیسے گھر میں کوئی آیا ہی نہیں۔ جاوید نے پیسے نکال کر اماں کو دیے انہوں نے پلو سے باندھ لیے اور پھر جاتے وقت گڑیا کے ہاتھ میں دے دیے۔

"تو نے دیے میں نے رکھ لیے اب میری طرف سے یہ گڑیا کے لیے۔" جاوید کا منہ بگڑ گیا کیا ضرورت تھی اسے آنے کی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ابا نے منہ اندر کی طرف کر کے اماں کو کہا تھا کہ آنے جانے والوں کو گلی تنگ پڑ رہی ہے وہ ڈبا ایک طرف کروا ہمیں تو اس گاؤں میں رہنا ہے' گاؤں والوں کی راہ کیوں ڈنگا کریں۔ جاوید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے ٹھاٹ بھاٹ وہیں راکھ ہو گئے' منہ اتر گیا پیسہ جیب میں ہی پڑا رہ گیا' کار گدھا گاڑی سے بدتر لگنے لگی۔

جاوید نے نوری کے گھر کی طرف کار کی' دروازے پر بڑا تالا لگا تھا' گاؤں میں نیا پرندہ بھی اڑ کر جاتا تھا تو سب کو خبر ہو جاتی تھی ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی ہو گی؟ مرگوں میں بھی جاتے تو ایک کو گھر چھوڑ جاتے کہ منہ تو قبروں کے بند ہوتے ہیں نہ واہ نہ در۔ گھروں کے در کھلے ہی رکھنے چاہئیں کار کی ڈگی میں رکھے شہری کپڑے' پراندے' شیشے کے گلاس' سیب کے مربے اور مٹھائی کا بڑا ڈبا پڑا قہقہے لگا رہا ہو گا نوری کی آنکھیں گیلی ہو گئیں جاوید کو کار میں ہی چھوڑ کر وہ حاجن بی کے گھر آئی انہوں نے پیار سے بٹھایا پانی کا پوچھا اس نے گھر والوں کا پوچھا۔ وہ مسکرائیں۔

"ٹھیک ہیں سب۔"

"کہاں گئے ہیں سب؟"

وہ سچ بول کر اسے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں شاید۔

"جاوید اندر کیوں نہیں آیا۔" نوری اٹھ کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ کر بلاوجہ گڑیا کو مارا۔

"اب نہیں لاؤں گا تجھے۔ عزت سواہ کر دی میری ابا کو دیکھا تھا گوبر کے پاس بیٹھا رہا گند میں..... حقہ گڑگڑاتا رہا مکھی مچھر کی بھنبھناہٹ سنتا رہا۔" جاوید سارے راستے بکتا رہا نوری چپ ہی رہی اس کے گھر والوں کو بھی گالیاں دیتا رہا۔ نوری نے کام والی کو ساری چیزیں دے دیں اسے منہ کھول کر حیرت کے اظہار کا سلیقہ بھی نہ آیا جھٹ چیزیں اٹھا کر نکل گئی کہ باجی سٹھیا گئی

ہے کہیں عقل ہی نہ پکڑ لے۔
گاؤں کا اپنا راستہ نوری بھاگ کر بند کر آئی تھی نا اس پر لگا تالا بھی کل دیکھ ہی آئی تسلی ہو گئی۔
جاوید نے پستول والی الماری کو تالا لگا دیا وہ تو گھر کو ہی تالا لگا کر بھاگ لیے تھے اس کے پیچھے کیا خاک آئیں گے۔ نوری کا خیال تھا کہ اس کے بھائی گاؤں گاؤں پھرے ہوں گے اسے ڈھونڈنے' ریلوے اسٹیشن' لاری اڈے' جانے کہاں کہاں مہینوں کھپتے رہے ہوں گے 'نوری مل جائے' کہیں نوری مل جائے مارنا ہی ہے لیکن پکڑ میں تو آئے اسے لگا انہوں نے تو اسے اتنی وقعت بھی نہ دی کہ ڈھونڈ کر مار ہی ڈالیں۔ انہوں نے زمین پر تھوکا ہو گا۔
"تھو اماں سمجھ لے وہ کبھی اس گھر میں رہتی ہی نہیں' پیدا ہی نہیں ہوئی بھاگ گئی ہے تو اولاد والی ہو گی تو اولاد اس سے بھاگے گی اور وہ اولاد سے۔ بار بار بھاگے گی ایک بار کی بھاگی بار بار بھاگتی ہے۔ ٹھکانے بدلتی ہے کبھی دل کے اور کبھی جسم کے۔"
بھائیوں نے ٹرنک میں سے اس کے کپڑے نکال کر آگ لگا دی ہو گی ہر نشان مٹا دیا ہو گا جو کوئی پوچھنے آتا ہو گا اسے صاف کہتے ہوں گے۔
"کون نوری؟ ہم تو نہیں جانتے۔ ہم سے نہ پوچھو۔"
اماں نے جہیز کا سامان نکال نکال نائین یا چمارن کو دے دیا ہو گا اور ابا اُس نے دو بار زمین پر چپل ماری ہو گی۔
"لے یہ گئی اب سب اس پر تھوکنا۔" ابا کی جب کسی سے لڑائی ہوتی تو وہ زمین پر دو بار چپلیں مارتا اور دو چار گالیاں دے کر کہتا "لو یہ پڑا ہے کر لو جو کرنا ہے" تو اب ان سب کے لیے وہ گند ہوئی۔ اس کا ابا کتنی جلدی اس کی اصلیت کو جان گیا خود نوری کے جاننے سے بھی پہلے۔ وہ جان گیا کہ ایسے لوگ کیا ہوتے ہیں شہری زبان میں وہ غلاظت ہوتے ہیں ایسی غلاظت جسے ڈھیر پانی سے بہا دیا جاتا ہے گھروں میں گھسنے نہیں دیا جاتا۔

☆ ☆ ☆

نوری ایک بیٹی کی ماں بن گئی اس میں رچ بس گئی بیٹے کے لیے آہیں بھرتی مانو کی جگہ بیٹا ہوتا تو اس کا دل خوش ہو جاتا گڑیا اسکول جانے لگی' مہینے میں ایک بار وہ پارلر چلی جاتی' بال بھی رنگوا لیے تھے' کئی بار جاوید نے گھر آ کر اسے بتایا کہ بیگمات کیسے چلتی ہیں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر ایسے جیسے ہوا میں ہلکورے لے رہی ہوں' تو کبھی ایسے چلا کر' وہ ویسے تو خاک چلتی ہاں کچھ قریب قریب ضرور ہو گئی تھی باہر نکلتی تو چال کو قابو میں رکھتی اور گھر آتے ہی گم کیے سانس کی طرح ایکدم سے چال کو کھلا چھوڑ دیتی۔ بہت سی چیزوں کا ملغوبہ بن گئی تھی' بال رنگوانے ہیں کٹوانے نہیں' برقع پہننا ہے' نقاب نہیں کرنا' فرائی جھینگا کھانا ہے اور پیٹ بھرنے کے لیے الگ سے نان کباب کھانے ہیں جھینگے سے زبان بھرتی ہے پیٹ نہیں' بے شک زبان بھرنے والے کھانوں سے پیٹ گلے کی آنت تک آ جاتا۔
کام والی کام کر جاتی تو اس کی چندی آنکھوں کو گند نظر آنے لگتا پانی کا پائپ لگا کر دھونے بیٹھ جاتی' دل کرتا تھا کھانا گھر پکا لیتی پھر چکھتی تو اچھا نہ لگتا اور اگلے دن کام والی لے جاتی جاوید کو فون کر کے بازار سے ہی منگواتی جاوید سیدھا سادا ہی رہا گھر آتا نان کباب' مچھلی' گوشت' سلاد' کھیر' گاجر کا حلوہ' دس بندوں جتنا لے آتا خوب ٹھس ٹھسا کر کھاتا دو گلاس پانی اوپر سے پیتا' پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ڈکار لیتا اور پیسوں کا حساب کتاب کرتا اور سو جاتا وہ روز کا روز ایک ہی رہا صبح کام والی آتی تو میز پر رات کا بچا کھانا اٹھا کر شاپر میں ڈال کر جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے جاتی۔
اکثر رات کو نوری اٹھ بیٹھتی' نہ جانے کس احساس کو لیے رونے لگتی کبھی ایک بار بھی نہیں ہوا تھا کہ جاوید نے آنکھ کھول کر اسے دیکھا ہو اور اسے سو جانے کے لیے کہا ہو وہ گڑیا کے بستر پر آ جاتی اسی کے ساتھ سو جاتی' مانو سادھو سی بچی تھی بمشکل ہی روتی بھوکی ہو کر بھی نہ مچلتی۔ پڑے پڑے خود سے ہی سو جاتی۔

گڑیا ناک پر ہاتھ رکھ کر کہتی۔
"اماں بدبو.... نہاتی نہیں ہو کیا۔" نئی نئی اسکول جا رہی تھی تو نئی نئی باتیں کرنے لگی تھی۔ نوری خود کو تسلی دیتی نہاتی تھی صاف کپڑے پہنتی تھی کہاں کی بدبو۔
"اماں تمہارے دانتوں میں خون جما ہے۔" ایک آدھ میں کیڑا لگا تھا گڑیا کو خون نظر آ رہا تھا جاوید گدھے کی سی ہچکوں' ہچکوں ہنسی میں ہنسنے لگا۔
"ہاں خون ہی ہے گڑیا' تیری ماں خون پیتی ہے' چڑیل ہے یہ بڑے لوگوں کو مار کھائی ہے۔" ہچکوں' ہچکوں۔
"میں اکیلی تو نہیں مار کھائی۔" نوری پھنکاری۔
جاوید نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسے گھورا۔
"اب بول نا کہہ کہ ہم سب اودھ بلائیں ہیں مل کر کھا رہے ہیں۔" جاوید غصے سے اٹھ کر چلا گیا لیکن نوری کو منا اور منی یاد آ گئے ایسے وقت وہ ٹی وی کی آواز اونچی کر دیتی یا پرس اٹھا کر بازار چلی جاتی۔ کپڑے' جوتے خریدتی دکان داروں سے بلاوجہ بحث کرتی اٹھ کر چلی جاتی پھر واپس آ کر وہی کپڑا لے جاتی گھر آنے تک منا منی بھول چکی ہوتی۔ کپڑے ساتھ لگا لگا کر دیکھتی جوتے جیولری پہن پہن کر شیشے کے آگے کھڑی رہتی نوری عورت ہی نہ رہی کھانے پینے والی گڑیا۔ بیاہ بیاہ رچانے والی گڑیا --- بھی کھیل کھیلنے والی گڑیا۔
اب نوری کو جلد سے جلد بیٹا چاہیے تھا بیٹے کی پیاس لگ گئی تھی اسے بیٹا بیٹا کرتی رہتی تھی ہر وقت --- امید سے تھی بہت خوش رہتی تھی۔ جاوید بہت چپ چپ رہتا تھا کام کرتے اسے گنگناتے دیکھ لیتا تھا تو بلاوجہ چڑ جاتا تھا۔
"بند کر اپنے یہ سر۔" وہ ڈر کر اپنے سر بند کر لیتی۔ پھر بھی خوش ہی رہتی جی بھر کر خریداری کر رہی تھی جاوید کو ایک دن دکھانے بیٹھ گئی خریداری' جاوید نے سارے شاپر اٹھا کر الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا وہ منہ کھول کر اسے دیکھنے لگی۔
"تالا کیوں لگایا۔"

دم بھی انہیں تالے میں ہی رہنے دے۔ دیکھیں گے کب باہر نکالنا ہے۔" جاوید ایک سگریٹ سلگا کر چلا گیا۔ اس کی رگ رگ سے واقف تھی نوری.... ایک اور گاہک وہ بت بنی بہت دیر وہیں بیٹھی رہی۔ جاوید گھر سے بھی جا چکا تھا کیسے دل لگا کر کام کرتا تھا جاوید۔ وقت کے ساتھ بدل ڈالا تھا خود کو۔ اس کے ابا اسے ایک ہی گالی دیا کرتا تھا کہ "وہ ذات کا کمینہ ہے اور خواص کا شیطان۔" بالا ہی بالا وہ گندم کی کئی بوریاں بیچ کر کھا گیا تھا اس کے باپ کو پتا لگ ہی گیا کہ گودام میں سے گندم جا کہاں رہی ہے اپنی ماں کی سونے کی بالیاں بڑی چھوٹی پیٹی میں رکھے پیتل تانبے کے بڑے بڑے پتیلے گھر والے کسی شادی' مرگ میں چلے جاتے اور وہ کچھ نہ کچھ بیچ کر پیسے کھا جاتا گھر کا کاٹھ کباڑ تو وہ سب کے سامنے ہی سائیکل پر لاد لاد کر کباڑیے کے پاس لے جاتا' باقی سب ادھر ادھر ہوتے تو بہت کچھ نکال کر لے جاتا۔ اماں کا چاندی کا لوٹا تھا کبھی کبھار وضو کے لیے استعمال کر لیتی ایک دن وہ لے اڑا وہ ہر چیز پر نظر رکھتا کہ کیا کیا بک سکتا ہے کہتے ہیں اگر کوئی بیوپاری بن جائے تو اپنے سونے کا بستر اور پہننے کے کپڑے بھی بیچ دیتا ہے مول کھرے کرنے کا ایسا نشہ ہے کہ بیسہ بے شک زمین میں دبا دے لیکن مول کھرے کرنے کے نشے سے جان نہ چھڑوا سکے نہ چھڑوانا چاہے اپنے گاؤں کے گھر میں ایک ایک چیز پر نظر رکھ کر دل ہی دل میں اس کا مول رکھنے والے جاوید نے اب ایک ہی زمین پر نظر رکھ چھوڑی تھی مول بھی اسے معلوم تھا اور تول بھی وہ قیمت بھی جانتا تھا اور اسے نکلوانا بھی ذات کا کمینہ خواص کا شیطان
جاوید نے ایک اور گاہک ڈھونڈ لیا کوئی بیگم تھیں جن کے بنگلے پر جاوید انڈے' ڈبل روٹی کی ترسیل کے لیے جاتا تھا جانتا تو وہ ہر بنگلے کی ہر بیگم کو تھا آنکھیں جو تراش لی تھیں اس نے اب سب پر نظر رکھتا تھا' بیگم کی سہیلی --- امریکہ میں تھی چند سال ہی ہوئے تھے شادی کو لڑکی ماں نہیں بن سکتی تھی سب علاج کروا چکی تھی' خاندان سے چھپا کر بیٹھے تھے دونوں میاں بیوی یہ

بات۔ جاوید نے بیگم سے بات طے کرلی تھی نوری امید سے ہوئی ہی تھی۔ بیگم نے سہیلی سے بھی بات کرلی تھی دونوں میاں بیوی سیاحت کا کہہ کر امریکہ سے پیرس چلے گئے وہاں سے دو ایک ملک گھوم کر پاکستان آگئے سہیلی نے امریکہ فون کرکے اپنے سسرال اور میکے بتا دیا کہ وہ امید سے ہے اب سفر منع ہے امریکہ نہیں آسکتی۔

یہ تو اتنی بڑی آسامی تھی کہ جاوید کی راتوں کی نیند اڑ گئی کیا مانگے؟ کتنا مانگے؟ کیا چھوڑے... کیا لے۔

جاوید میاں بیوی سے جاکر ملا جوان تھے دونوں خوب صورت تھے' اپنا کہہ کر بچہ گود لے جاکر خاندان والوں کی گود میں ڈالنے والے تھے پہلے انہوں نے کاغذات بنوائے بچے کی سپردگی کے اب اتنے بھی الو کے پٹھے نہیں تھے امریکہ سے آئے جانتے تھے بچے کوڑیوں کے بھاؤ رلتے ہیں تیسری دنیا میں وہ تو انہیں عین وقت پر مل رہا تھا تو دو پیسے بھی دے رہے تھے' ورنہ تیسری دنیا میں بچے بہت... چند لاکھ پاکستانی پیسے ہاتھ میں تھما گئے' دستخط کروائے اور یہ جا وہ جا۔ جاوید تو دیکھتا ہی رہ گیا اس کی تو ایک نہ چلی اس کا منہ کڑوا ہوگیا چند لاکھ امریکن ڈالرز کی جگہ وہ اسے پاکستانی پیسے دے گئے تھے۔ جاوید پچھتایا مول ٹھیک سے نہیں کمایا اس نے سوچا۔ رہا نہ وہ سیدھا سادا گاؤں کا دیہاتی جسے سب شہری الو بنا جاتے ہیں سو سو گالیاں دی انہیں نوری سے بھی منہ ماری ہوئی اس نے الٹا کہا۔

"دو پیسے کی چیز تھی وہ تو لاکھوں میں لے گئے۔"

"میرا بچہ دو پیسے کا تھا۔" جاوید برا مان گیا چلانے لگا۔

"دو پیسے کا نہ ہوتا تو یوں کسی کو نہ دے دیتا۔" نوری نے منہ بگاڑ لیا۔

"بدشکلوں والے یہ امیر لوگ مرکیوں نہیں جاتے۔" اس بار نوری مہینوں روتی رہی اس بار بیٹا تھا پر جاوید نے ذرا بھی نہ سوچا نہ ہی اسے بتایا کلینک سے بیٹا لے کر نکل گیا کار میں بیٹھے تھے وہ دونوں ٹکڑا لیا چیک دیا دستخط وہ پہلے ہی لے چکے تھے اور سودا ختم۔

جاوید کا اندر ٹھنڈا تھا چنگاری نوری کے اندر بھڑکی' جاوید سے بہت مار کھائی اس نے پیار سے منایا سمجھایا جب نہیں مانی تو مارنے لگتا

کون سے الزام دیتا کسے گناہ گار کہتا خود کو بری کیسے کرتا نوری کیسے جاوید کی طرف انگلی کرتی باقی کی چار انگلیاں خود اس کی طرف اٹھتیں نوری کس کو جاکر کہتی کہ جاوید کو باز کروا اپنے باپ کو یا جاوید کے باپ کو دونوں کے باپ دونوں کو دھتکار چکے تھے وہ کس کے پاس جاتی اور جاتی بھی کیوں؟ وہ تو نوری بنی رہی جاوید کی محبوبہ بنی رہی جاتی تب جب ماں بنتی اور نہیں تو انسان ہی بن جاتی اب جاوید کو کون روکتا مل کر کھیل شروع کیا تھا اب ایک کھیلے سے پیچھے ہٹ جائے دوسرا تو کھیلے گا اپنی مرضی اپنی چاہ سے۔

اس ایک دوسرے منے پر ہی بس نہیں ہوئی ڈھلتی عمر کی ایک بیوہ وکیل عورت نے لڑکی لی۔ جاوید نے دی تو اس نے لی۔

خاندانی دشمنی تھی ان کے خاندان کی پشتوں سے' دو بہن بھائی ہی بچے تھے۔ بھائی بیرون ملک جاکر لاپتا ہوگیا تھا سالوں بعد بڑی بہن سے رابطہ کرلیتا ڈرا ہی رہتا کہ کوئی رابطہ اسے لے ہی نہ ڈوبے ساری جائیدادوں پر قبضہ ہوچکا تھا سب کی جانیں جاچکی تھیں عورت وکیل فاخرہ کا شوہر بھی اسی دشمنی کے ہاتھوں قتل ہوا اسی شوہر کے قتل کا مقدمہ بھی لڑتی رہی تھی پریکٹس تھوڑی بہت چل رہی تھی ایک بار خودکشی کی کوشش بھی کرچکی تھی۔ جاوید کا آنا جانا تھا اس کی اجاڑ کوٹھی میں کبھی کبھار' جاوید نے ہی اسے سمجھایا کہ وہ اپنی اجاڑ زندگی کو آباد کرلے کوئی بچہ لے کر پال لے۔" ایک بار گئی تھی ایک ادارے میں انہوں نے میری خاندانی تاریخ کا سن کر مجھے مشورہ دیا کہ میں انہیں بچے کی سیکورٹی کی ضمانت دے دوں میری اپنی جان کی ضمانت نہیں ہے چوکیدار آئے دن بھاگ جاتے ہیں بھائی ملکوں ملکوں بھاگ رہا ہے میرا تو ایسے منہ چھپا کر بھاگے پھرنے کو جی نہیں چاہتا شوہر کے گھر کو چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں۔ موت تو جب آئے گی کسی بھی جگہ آجائے

گی۔"

اس اکیلی' دکھیاری' بیوہ عورت کو جاوید نے اپنی بیٹی دے دی تاکہ اس کی زندگی میں بہار آجائے۔ امیر دیوالیہ بھی ہوجائے تو فقیر نہیں بنتا۔ وہ بھی فقیر نہیں تھی اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا تھا لیکن گھر کی ہر چھوٹی بڑی چیز بیچ آنے والے کے لیے وہ بہت... بہت تھا۔

شہر سے دور اس کی ایک کینال کی فیکٹری تھی جس پر اب قبضہ ہوچکا تھا اصل کاغذات اس کے پاس تھے پر وہ قبضہ نہیں لے سکی قبضہ گروپ سے۔ کاغذات جاوید کے ہاتھ میں دیے کہ جو قبضہ لے سکو تو فیکٹری تمہاری۔

پلاسٹک کے برتن بنانے والی فیکٹری تھی فی الحال بند تھی' جاوید نے چپکے سے جاکر فیکٹری کا جائزہ لیا جاوید کا حلقہ احباب اب کم نہیں تھا وہ تو عورت تھی کیا قبضہ چھڑواتی یہ تو مردوں کے کام ہوتے ہیں' جاوید ہٹا کٹا گھاگ عیار اور دلال اس کے تو بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

پیسے اور عقل سے سب ہوجاتا ہے اصل کاغذات لے کر جاوید گڈو کے پاس چلا گیا گڈو لاہور کا مانا ہوا بدمعاش تھا۔ یہ مردوں کے کرنے کے کام ہوتے ہیں عورتیں کیا جانیں گڈو نے کاغذات دیکھے فیکٹری دیکھی اور فیکٹری کے آدھے مالکانہ قبضے پر راضی ہوگیا یعنی بعد ازاں فیکٹری کا آدھا مالک وہ بھی ہوگا سودا یہ بھی گھاٹے کا نہیں تھا بے کار سے مفت بھلا اور مفت سے آدھا چھ مہینے کے اندر اندر گڈو نے فیکٹری کا قبضہ لے لیا بدمعاش ہی وہاں قبضہ کیے بیٹھے تھے بدمعاشوں نے ہی قبضہ چھڑوالیا

اس ساری رات جاوید سو نہیں سکا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کبھی وہ ایک سائیکل کا ہی مالک بن جائے گا آج وہ ایک فیکٹری کا مالک بن چکا تھا۔ پلاسٹک کے گھریلو برتن بنانے کا پلانٹ لگا ہوا تھا انہوں نے وہی کام شروع کردیا فیکٹری شروع کرنے میں جو لاگت آئی تھی وہ لاگت گڈو نے اٹھائی اور وہ تین حصے کا مالک بن گیا یہ تو ہونا ہی تھا بدمعاشوں کی بدمعاشی سے کوئی نہیں بچتا جاوید اندر ہی اندر کھولتا رہا لیکن کیا کرتا چوں چاں کرتا تو قتل ہوجاتا اب جو تھا بہت تھا

نوری نے جو وائی تباہی مچا رکھی تھی اس کا انجام تھا یہ' گھر آکر جاوید نے نوری کی دل لگا کر دھلائی کہ اس کی نحوست سب کچھ نگلتی جارہی ہے سب کچھ ہاتھ سے جارہا تھا' پوری فیکٹری کا مالک اب تیسرے حصے کا حق دار رہ گیا تھا' سب اس کی نحوست کی وجہ سے تھا۔

"تیرا باپ بہت بیمار ہے۔" شام کو جاوید کو یکدم جیسے اسے بتانا یاد آگیا اس کا رابطہ تھا گاؤں کے یار دوستوں کے ساتھ اسے اطلاع دے کر سو گیا' آدھی رات میں پھر اٹھا اسے اٹھایا۔ وہ منہ دیکھنے لگی۔

"جلدی کرلی بی تیرا پیو مر گیا۔" وہ دوبارا اسے اٹھا کر جاچکا تھا پر وہ پھر خراٹے لینے لگی اس کے ہوش و حواس میں آنے کا انتظار ترک کرکے جاوید نے اسے جھنجھوڑا اور کہا نوری بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اٹھے گی یا منہ بھی نہیں دیکھے گی؟" اپنے باپ کا مرا منہ دیکھنے کے لیے وہ اٹھ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

شامیانے میں وہ ایک طرف ہوکر بیٹھ گئی کسی ایک نے بھی اسے پلٹ کر دیکھا نہ منہ لگایا بڑی چیز تھے وہ سب ایسے ظاہر کررہے تھے جیسے نوری وہاں بیٹھی ہی نہیں' دو عورتیں اس سے الجھ کر گریں جیسے اس سے نہیں کسی اینٹ پتھر سے الجھ کر گری ہوں ہونہ جاوید مروانے میں تھا اس کی بھابھیوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا اور دونوں بہنوں نے بھی' کیسے نہ اٹھاتیں یہ وہی باپ تھا نا جس نے بہوؤں کا غصہ بیٹیوں پر اتار لیا اور بیٹیوں کا غصہ بیوی پر' لیکن انہیں کچھ نہ کہا کبھی نوری نے لعنت بھیجی جاوید پر' جس کی محبت میں اندھی ہوکر وہ گھر سے نکل گئی ورنہ آج وہ بھی دل کھول کر بین ڈالتی بال کھول مٹی سواہ ڈالتی۔ بڑی بوڑھیوں کے گلے لگتی کوئی اسے تسلی دیتا بہنوں کے ماں کے گلے لگتی۔

اس کا دل جلتے تیل کی کڑاہی میں ہر آن ابل رہا تھا وہ

چپکے چپکے آنسو بہارہی تھی اماں نے ایک مرتبہ بھی پلٹ کر اسے نہ دیکھا آپا کی طرح اس کا بھی جی چاہا کہ بار بار لپک کر اپنے باپ کی پیشانی چومے ہاتھوں کو گالوں سے لگائے اور نہیں تو قریب بیٹھ کر چپکے سے معافی ہی مانگ لے اب ابا تو چپل مارنے سے رہا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ قریب گئی نہیں کہ سب نے چیلوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑنا ہے۔

"آگئی باپ کو پلید کرنے"

"چل پرے ہٹ"

وہ پرے ہی بیٹھی رہی بہانے سے گڑیا کو آگے کیا کہ نانا کو پپلی اور آخری بار دیکھ لے وہ آگے ہوئی نہیں کہ آپا نے ہاتھ بڑھا کر اسے پرے کردیا۔

جنازہ اٹھا تو حاجن بی اس کے پاس آئیں صبر کا کہا اور یہ بھی کہ اب وہ چلی جائے وہ ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی چلی جائے گی اتنی جلدی کیا ہے اس نے سوچا ذرا نظر بچا کر ابا کے ٹرنک سے اس کا ایک آدھ کپڑا ساتھ لے جائے جب وہ بھاگ رہی تھی تو اپنے کپڑے لے کر گئی تھی اور ساتھ باپ کی عزت' اب اسے مرے ہوئے کا ایک کپڑا چاہیے تھا جسے سینے سے لگا کر وہ ابا کی خوشبو سونگھ سکے اور اسے یاد رہے کہ اس کا کوئی باپ بھی تھا' ایسا باپ جس پر بھاگتے ہوئے نظر نہیں ڈالی تھی اور مرے ہوئے کو مسلسل دیکھ رہی تھی' جس کی کھلی آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی اور اب بند آنکھوں کو چومنا چاہتی تھی۔

ابا کے کمرے کی طرف نظر رکھے وہ موقعے کی تاک میں تھی لیکن اندر باہر سوگوار جمع تھے وہ کیسے ابا والے کمرے میں چلی جاتی رات کے آثار نمایاں ہونے لگے رشتے داروں کا رش ذرا چھٹا تو اماں اس کے قریب آکر بیٹھی۔

"کس دھندے سے لگی ہے تو نوری وہاں" نوری ہکا بکا رہ گئی مرگ والے گھر میں اماں کیا لے کر بیٹھ گئی تھی اسے گلے سے نہ لگاتی تسلی نہ دیتی اتنی بڑی گالی تو نہ دیتی بیوہ نہ ہوئی ہوتی اماں تو ضرور نوری پلٹ کر کھری کھری سناتی۔

"تہجد پڑھ کر سوتی ہوں تو تیرے ہاتھ پاؤں' منہ' ناک' کان سے پھنسی پھوڑوں سا خون نکلتا دکھائی دیتا ہے کس گند سے لگی ہے نوری غٹر غٹر کس کا خون پیتی ہے۔"

نوری کو لگا ابھی ابھی اسی کی میت اٹھ گئی ہے وہی مر گئی ہے قبر میں بھی وہی پڑی ہے بال کھولے اور مٹی پھانکے۔

"تیرا باپ قبر میں پڑا ہے نا مجھے بھی جانا ہے اولاد کے لیے بھی جواب دینا ہوگا ہمیں۔ کچھ رحم کر اپنے مرے باپ پر۔ اپنی پوچھ پڑتال کا بوجھ اس پر نہ ڈال نماز روزہ کیا کر باقی تجھے ہم معاف کرچکے ہیں اپنی دنیا میں بس۔ یہاں نہ آیا کر۔"

نوری نے چار بندوں کا انتظار کیا کہ آئیں اور اسے کندھا دے کر میت اٹھا کر لے جائیں اس سے اپنی لاش کا بوجھ اب کہاں اٹھایا جائے گا۔ گاؤں میں رہنے والی اس کی اماں نے کتنی باتیں جان لی تھیں کیا یہ مائیں ولی ہوتی ہیں؟؟

اماں نے زندگی بھر ایک تہجد نہ چھوڑی اور نوری نے ایک بھی فرض نہ پکڑا۔ دیواریں تھام کر نوری اٹھی باہر نکلی اس کے اتنے بڑے خاندان میں صرف جاوید ہی سیٹھ لگ رہا تھا اور وہ اکیلی سیٹھانی آپا بھابھیاں خاندان کی دوسری سب۔ اس کے سامنے چوڑی چمار سی لگ رہی تھیں ایک وہی مہارانی تھی ان میں۔ مہارانی چپکے سے اپنے محل میں واپس آگئی۔

★ ★ ★

چاند نے شاہی محلے میں ہی آنکھ کھولی تھی چلنے پھرنے لگا تو وہاں سبھی اندر کے کام کرنے لگا خدمت گزار بن گیا وہ اور اس جیسے لڑکے تھے لڑکیاں بھی تھیں اسی کی عمر کی لیکن انہیں سنبھال سنبھال کر رکھا جاتا سبھاؤ سے طریقے سے باقیوں میں سے کوئی ایک اس کی ماں تھی کون تھی وہ نہیں جانتا تھا۔

کوئی بھٹک کر بچی بچے کو سینے سے لگا کر نہ کہتی کہ میں ہوں تیری ماں دنیا میں لے آنے سے ہی تو کوئی ماں باپ

نہیں بن جاتا نا؟

آہستہ آہستہ اس نے شعور کی طرف قدم بڑھائے وہ بازار میں گاہک گھیرتا رہا انداز زنانہ سا تھا لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسے نیچا دکھا جائے نیم زنانہ انداز میں بات گونج دار کرتا۔

کچھ عرصے سے ایک آدمی وقفے وقفے سے وہاں آرہا تھا۔ وہاں اس جیسے آدمی کا آنا بنتا تو نہیں تھا لیکن وہ ایسی جگہ تھی کہ وہاں کچھ بھی ہوسکتا تھا' نورتن بائی سے آکر ملتا اس سے گالیاں سنتا اور چلا جاتا۔ اس دن چاند نے نورتن سے پوچھ ہی لیا کہ یہ بار بار یہاں گالیاں کھانے کیوں آتا ہے

بولی "بچہ ڈھونڈتا پھرتا ہے یہاں اپنا۔"

"کون سا بچہ یہاں تو اب کوئی بچہ نہیں؟"

"پہلے کبھی تھا یہاں والیاں نا سیدھی سیدھی انسان دکھتی ہیں اور کھوپڑی الٹی رکھتی ہیں۔ ایک کی کھوپڑی الٹ گئی تھی بچہ لے کر بھاگ گئی جس کا تھا اسی کے پاس۔ دو دن بعد ہی واپس آگئی ناک کان سوجا کر ہڈیاں تڑوا کر۔"

چاند کو ۔۔۔ ہنسی آگئی۔ "گئی کیوں تھی؟؟"

"پھٹکار پڑی تھی دل پر روڑی پر گند پھینکنے سب ہی جاتے ہیں کسی کو لاتے دیکھا ہے' اب آیا ہے وہی گند اٹھانے' میں نے کہا پیسہ دو لے جاؤ۔"

"کیا کہتا ہے؟"

"کن گال ہے؟"

"یہ کون کس بچے کا باپ ہے؟"

"تجھے کیا تو اپنا کام کر دوبارہ مت پوچھیو ؟"

چاند نے دوبارہ نہ پوچھا نئی باتیں نہیں تھیں یہ سب' آئے دن کے قصے تھے ایک دن پھر آیا ساٹھ ہزار لایا اور پیروں پر گر گیا اپنی لمبی داڑھی کے واسطے دیئے نجانے کیا کیا بلکتا رہا چاند اور اس جیسے چار کو نورتن نے بلالیا آگے وہ جانتے تھے انہیں کیا کرنا ہے چھوٹی بڑی گالیاں دے کر اسے ایک سرنگ نما اندھیرے کمرے میں لے گئے اور خوب لاتوں گھونسوں سے اسے مارا۔ وہ بے چارا ضعیف آدمی مار کھاتا رہا چلاتا رہا۔

"مار ڈالو تم میں سے کوئی تو جانتا ہوگا میرے پاس ساٹھ ہزار ہیں لے لو صرف اتنا بتادو گلابی مرگئی ہے یا کہیں چلی گئی ہے"

رشید عرف چاند زندگی میں پہلی بار اندر کہیں اٹھنے والی ایک ٹیس سے آشنا ہوا گلابی اس کی ماں تھی اور یہ داڑھی والا مسجدی ٹوپی والا کندھے پر دھرے صافے والا ضعیف کمزور لاغر دھنسی آنکھیں۔ آنسوؤں سے بھیگے گال یہ کسی بچے کا پتا کرتا پھر رہا تھا۔ کون تھا اس کا بچہ

گلابی کا ایک ہی بچہ تھا چاند

چاند کے اندر جو ٹیس اٹھی وہ بڑھتی ہی چلی گئی وہ وہاں سے بھاگ گیا چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں کو پار کرنے لگا چوباروں کے نیچے سے اندھیروں کے اوپر سے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دور نکل گیا

بہت دیر تک بھاگتے رہنے کے بعد ایک جگہ بے ہوش ہوکر گر گیا بھنگی کالیا اسے ڈھونڈتے آئے اٹھا کر ساتھ لے گئے' رات گئے اسے ہوش آیا تو اس سرنگ نما کمرے کی طرف بھاگا وہ تو جاچکا تھا جانا ہی تھا۔

گاہکوں پر نظر رکھے رکھے چاند نے ان میں انسانوں کو تلاشنا شروع کردیا الٹا سیدھا سا ہوگیا دماغ کوٹھے سے پرے ہوتا گیا' وہ کیا ہے کیا ہوتا گیا اسے خبر نہیں تھی۔

ایک دن پھر آگیا وہ چمڑے کا چھوٹا بیگ بغل میں دبائے شاید زیادہ رقم کا انتظام کرلیا تھا اس نے' چاند کو اپنی اصل قیمت کا ابھی ابھی اندازہ ہوا آج کوئی اس پر بھی لٹانے آیا تھا اس کے لیے دام لایا تھا کیا چاہیے بھنگی اور کالیا کو ایک طرف کر کے چاند آگے بڑھا۔ کالیا تو پھر سے چانٹے مارنے کے لیے پر تول رہا تھا۔

"بچے ایک آخری بار نورتن سے ملنے دو اسے کہو چھ لاکھ بیس ہزار لایا ہوں۔"

"کسے بیچ کر لائے ہو۔" چاند کی آواز سپاٹ تھی۔

"اب کچھ نہیں بچا تو بیچنا کیسا اچھے وقتوں کا ایک دوست تھا اس نے مدد کی ہے۔" وہ بہت خوش تھا۔

"تو بھی تو یہاں ہے۔ تجھے پتا ہو گا گلابی کا یہ سارے پیسے تو رکھ لے" اس نے چمڑے کا بیگ نکال کر ہاتھ میں پکڑا۔

"مر گئی ہے وہ" چاند نے اسے گھور کر دیکھا۔

"یہ تو نورتن بھی کئی بار کہہ چکی ہے کہیں اور ہو گی گلابی یہاں رہنے والوں سی نہیں تھی"

"پھر رکھنا تھا اسے اپنے پاس۔"

"کیسے رکھ لیتا رکھ لیتا تو اب یہ دھکے جوتے کیسے کھاتا بچے تو نہیں سمجھے گا تب میں، تب میں شیطان تھا۔"

اس نے سرگوشی کی "یہاں گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا بہت پیسے والا تھا یہاں آتا جاتا رہتا تھا یاروں کے ساتھ، گلابی کو اپنے پیچھے لگالیا عین میری شادی سے مہینہ پہلے بچے کو گود میں لیے آگئی میرے پیچھے مجھے تو اس وقت پتا چلا میں کون ہوں دو دن رکھ کر اباجی نے خوب پٹوایا اسے بھوک پیاس سے بچہ بھی دو دن بلکتا رہا اب اس عمر میں اس کا بلک بلک کر رونا کان کے پردے پھاڑے دیتا ہے تو نہیں سمجھے گا بچے اب کیا کیا گزرتی ہے مجھ پر اوپر تلے کے تین بیٹے جوان ہو کر جائیداد کے لیے قتل ہو گئے بیوی بیماری سے چل بسی بیٹی جل کر مر گئی آل اولاد گئی مال اسباب گیا تجھے نہیں پتا، بچے یہ سب کیوں ہوا مجھے جب معلوم ہوا تو ایک مومن پرہیز گار کے پیچھے بھاگا سب کہہ سنایا انہیں اسی بندہ مومن نے مجھے یہاں کی راہ دکھائی، کہتے ہیں جاؤ جا کر سمیٹ لو دونوں کو جہاں ملیں، میں آگیا ہوں انہیں سمیٹنے۔ اپنے گناہ سمیٹنے پیروں پر سر رکھنے۔"

وہ بول رہا تھا چاند چلتے پھرتے لوگوں کے پیروں کی دھول ہو رہا تھا۔

گلابی مر گئی ہے سنا تھا اس کا ایک بچہ تھا بیمار رہ کر وہ کب کر مر چکا سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔

داڑھی والے کو ایک زور دار جھٹکا سا لگا کھڑے کھڑے ڈگمگا گیا۔

بہت دیر تک وہ ڈگمگائے انداز سے ہی کھڑا رہا۔

"قبروں کا ہی اتا پتا دے دو"

"کسی بھی قبر پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ لو۔"

"فاتحہ کسے پڑھنی ہے مغفرت تو انہیں میری کرنی ہے" صافے سے آنکھیں صاف کرتا وہ بولا

سرکار کہتے ہیں جتنوں کو اپنا سکوں اتنا ہی اچھا، بچے تو چل میرے ساتھ، اللہ کی راہ بھلی سرکار کا نام بھلا چل نکل جا یہاں سے چھ لاکھ لے لے مجھ سے کاروبار کر بیوی بچے کر۔"

اس بار چاند پھیکی ہنسی ہنسا۔

"ہر انسان اپنی مرضی والا، میں نے کر دیکھی اپنی مرضی اب سرکار کی مرضی مجھے پیاری، بہت دیر کر دی پر تو دیر نہ کر راستہ بدل لے تو بھلا مانس لگتا ہے مجھے، ہم سب ہی بھلے مانس ہوتے ہیں بس یہ جو ادھر ادھر اپنی اپنی کرتے ہیں یہ برا ہے، میرے ساتھ چل شادی کر گھر بنا اپنا یہاں سے کوئی ایک نکال کر لے جا اپنے ساتھ خدا خوش ہو گا باپ بنے گا تو قدر آجائے گی خدائی کی پتا لگنے لگے گا تجھے کہ خدا بندے سے کیا چاہتا ہے۔ باپ بن کے دیکھ بچے کو سرکار دو عالم کا نام سکھا پڑھا اور پھر اسے سینے سے لگا تجھے سرور آجائے گا چل میرے بچے تو میرے ساتھ چل میں تجھے سرکار دو عالم کا نام سکھاتا ہوں پڑھاتا ہوں بندہ مومن کہتا ہے کہ اطاعت میں کبھی دیری نہیں، علم میں کوئی شرم نہیں خدا کے بندوں میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں چل آ میرے ساتھ۔"

چاند کے کندھے پر رکھا ہاتھ جو چاند نے جھٹک دیا۔

"تم جیسے دیر نہیں بہت دیر کر دیتے ہو میری تو اپنی جوانی جا چکی اور کتنی دیر ہو گی۔ خدا کے یہاں دیری نہیں ہوتی اس معاشرے میں بہت دیر ہو گئی، جنم کا اگلا ہی پل بہت دیری کر دیتا ہے۔"

میاں وہیں کھڑا رہا چاند وہاں سے بھاگ گیا پھر کبھی نہ آیا میاں وہاں چاند کو پاش پاش کر گیا اس کے سوراخ ٹھوک گیا دھڑ دھڑ کئی در بنا گیا میاں اسے برباد کر گیا تھا علم سے لاعلمی بھلی درباروں میں جا جا فقیروں کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہتا

نورتن نکالنے کو تیار، وہ نکل بھاگنے کو، بہت جمع پونجی تھی اس کے پاس۔ لیکن اب وہ اس سے وہ نہیں خرید

سکتا تھا جو میاں کو چاہیے تھا، شہروں شہروں گھومتا کہیں مہینہ کہیں سال کہیں ایک دن

اس کے اندر ایسی بچہ بچہ ہوئی کہ اسے ساری دنیا اپنی طرح بنا بچے کے نظر آنے لگی اسے لگتا کہ کبھی کچھ مانگا نہیں اب مانگا ہے تو آسمان والا ضرور ہی بچہ آسمان سے ٹپکا دے گا وہ اس کا باپ بنے گا ماں بنے گا اس کے دلار کرے گا بچہ کی خواہش اس میں آن بسی اب جانے کا نام نہیں لے رہی تھی

وہ میاں کی مغفرت کا باعث نہیں بن سکا اس کا بچہ ضرور بنے گا، پارکوں میں بیٹھا بچوں کو دیکھتا رہتا چند ایک نرسوں کی اس نے منت کی، ایک دو غریب عورتوں سے انہوں نے بات کی عین وقت پر ایک عورت نے پیسے واپس کر دیئے کہ نہیں دینا بچہ

انسان کے اتار چڑھاؤ انسان ہی جانے چاند تو چاند نہ رہا بنا بچے کے اماں ابا بن گیا ماں کو یاد کر کے روتا، میاں کو یاد کرتا اسے معاف کر دیا تھا اپنی معافی کے لیے تڑپتا تھا اب۔ ڈھلتی عمر میں کیا سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ڈھلتی عمر میں سوچ کے اتنے در کیوں کھل جاتے ہیں پچھتاوے کیوں جاگنے لگتے ہیں گناہوں کی سمجھ کیوں آنے لگتی ہے ہنسی ٹھٹھول گناہ کیوں لگتے ہیں یہ عمروں کا آخر انسانی خاتمہ یہ ایک اختتام کا آغاز یہ اتنی قیامت کیوں لاتا ہے؟؟

اس کے اندر دونوں سمندر بیک وقت ٹھاٹھیں مارنے لگے پدرانہ و مادرانہ پل پل وہ پاگل ہونے لگا جیسے بن جیاہی دلہن پل پل مرتی ہے رشید کو لگتا کہ اس کی شادی کو عشرے بیت گئے ہیں اب گود بھرنے کا انتظار اور نہیں ہوتا۔ یا انگارے بھر دو یا گود بھر دو وہ بانجھ پن کا بوجھ اٹھائے سیاہ پڑتی عورت کی طرح باؤلا ہو گیا وہ ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس جاتی ہے یہ مزاروں اور بچہ دینے اور دلانے والوں کے یہاں جانے لگا، ورنہ کیا تھا کسی بھی اٹھائی گیر کو پیسے دیتا اور کسی کا بھی بچہ اٹھوا لیتا لیکن وہ ذات کا بے ذات ہو سکتا تھا خصائل میں اچھے اثرات باقی تھے۔

بچی ذات وہ رکھ نہیں سکتا تھا پھر اس کی شادی کا مسئلہ ہوتا لڑکا کوئی دیتا نہیں تھا، ایک بچی تو مفت مل رہی تھی اس نے ہاتھ جوڑ کر انکار کیا، رشید جب چاند بنا تو خوب بنا اب باپ بننا چاہتا تھا تو خوب تڑپ رہا تھا، اس نے ہر سوانگ بہت دل سے اور جم کر رچایا تھا۔

رشید نے داڑھی رکھ لی تھی سرحد کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرف چلا گیا تھا، ہر اس امکان سے دور جہاں اسے پہچان لیا جائے، رات دن محنت ضروری کرتا تھا، اچھے لوگوں میں تھا، اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ جتنے پیسے تھے وہ اس نے امین کے نام بینک میں رکھوا دیئے تھے فی الحال وہ اسے اپنی کمائی ہی کھلا رہا تھا، راستے کی ایک مسجد کے مولوی صاحب سے اس کے کان میں اذان دلوائی تھی اور نام بھی انہوں نے ہی بتایا تھا۔ امین چاند کا چاند تھا اسے بہت پیارا تھا۔

جب امین چلنے لگا تو وہ اسے پانچ وقت مسجد لے جاتا بولنے لگا تو اسے مدرسے کے استاد کے پاس چھوڑ آیا اس گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا مسجد کے ساتھ ہی چھوٹا سا مدرسہ تھا جہاں ابتدائی تعلیم بھی دی جاتی تھی، رشید امین کو نہلاتا کھلاتا اور رات کو اسے سرکار دو عالم ﷺ کا درود سکھا کر سلا دیتا درود کی لوری سناتا اسی سے اٹھاتا رشید خوش تھا اب اپنی زندگی سے اسے وہ مل گیا تھا جو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا اور جب چاہا تو ویسا ہی ہو گیا۔

سب سے دور کرائے کے چھوٹے سے گھر میں وہ دونوں خوش تھے، سوچا کہ آنے والے وقت میں وہ امین کو اس کے ماں باپ بہن بھائیوں سے ملوا دے گا دونوں ملتے رہیں گے، رشید جانتا تھا کہ امین اس سے اتنا پیار کرتا ہے کہ اسے کبھی چھوڑ کر نہیں جائے گا وہ اسے سب سچ سچ بتا دے گا کہ رشید کا ماضی کیا تھا کہاں رہا اور امین کو کیسے لیا وہ اس کا لے پالک باپ ضرور تھا لیکن محبت کی ہر حد سے زیادہ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ امین کے دونوں ہاتھ دعا کی صورت اٹھوا کر میاں اور گلابی کے لیے دعا کرواتا، امین ایک اچھا بچہ تھا پیارا اور من موہنا۔

★★★

گوہر سارہ کو لے کر کینیڈا اپنے والدین کے ساتھ

رہنے لگی تھی بچی بہت خوبصورت تھی اس کے گھر والوں نے اس کے فیصلے کا کھلے دل سے خیر مقدم کیا تھا۔ گوہر سارہ سے پہلے سکون آور گولیاں کھاتی تھی اس عادت سے چھٹکارا ملا' نفسیاتی مریضہ بننے لگی تھی' سارہ اس کی زندگی میں انقلاب لے آئی تھی' کینیڈا میں اس نے اپنا گھر سیٹ کیا جاب کرنے لگی سارہ کو لے کر گھومتی رات کو اس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے سو جاتی' گوہر کے والدین بھائی' بہن سب ہی سارہ سے بہت پیار کرتے تھے' وہ سب گوہر کی خوشی میں خوش تھے سالوں وہ سب آپس میں ناراض رہے تھے ان سب کے درمیان گوہر کی اپنی مرضی کی شادی نے خلیج پیدا کر دی تھی گوہر کو ثاقب کے ساتھ طوفانی محبت ہو گئی تھی سانس نہیں آ رہا تھا ثاقب کے بغیر وہ شادی شدہ تھا کینیڈا میں ہونے والی ایک کانفرنس میں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی' گوہر ثاقب کے پیچھے پاکستان تک گئی اپنے گھر والوں کو ناراض کر کے نہ صرف گئی بلکہ شادی بھی کی اتنے سال اس کے لیے پاکستان میں رہی ثاقب کو اولاد کی پروا نہیں تھی کیونکہ وہ خود اولاد والا تھا دو بیٹے تھے اس کے گوہر خود ہی علاج کرواتی رہی امریکہ بھی اکیلی ہی گئی اس کام کے لیے ثاقب کے پاس وقت نہیں تھا وہ ایک اچھی کنسٹرکشن کمپنی کا مالک تھا پیسے کی کمی نہیں تھی وقت کی بہت کمی تھی

چند سالوں میں ہی گوہر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا. کئی بار ثاقب سے لڑ کر طلاق کی بات بھی کی پر ایسے موقع پر وہ اپنی شدید محبت کا اظہار کرنے لگتا اور وہ خود کو بے وقوف کہتی جو طلاق کی بات کی' ایک دو بار وہ اس کے ساتھ چلا گیا چیک اپ کے لیے پھر بھی گوہر ماں نہ بن سکی دو بار کینیڈا گھر والوں سے ملنے بھی گئی لیکن پھر بھی وہ ناراض ہی رہے انہیں ثاقب پسند نہیں تھا ان کا کہنا تھا کہ وہ بہت معصوم ہے لوگوں کی پہچان نہیں رکھتی ثاقب کو چھوڑ دے لیکن وہ ثاقب کو نہیں چھوڑ سکی اولاد کے لیے تڑپتی رہی ثاقب اسے بے بی لینے بھی نہیں دیتا تھا سخت خلاف تھا وہ اس سوچ کے کہ کوئی بے بی لیا جائے مشہور یہ تھا کہ وہ خود نازک مزاج ہے اور کسی کا بچہ نہیں رکھ سکتی۔

جاوید نے اسے بے بی دینے کا کہا تو وہ رہ نہ سکی اور خود سے ہی فیصلہ کر لیا ثاقب نے صاف کہا کہ وہ اسے کسی کے بچے کے ساتھ گھر میں نہیں گھسنے دے گا کچھ جاوید کا ڈر اور کچھ ثاقب سے اس کا اختلاف وہ فوراً" کینیڈا آ گئی ہمیشہ کے لیے' سارہ کے لیے اس کے گھر والے خوش تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ثاقب سے طلاق لے لے لیکن یہی ایک فیصلہ وہ نہیں کر پا رہی تھی' سارہ آ گئی تو وہ سب کچھ بھول کر اس میں لگ گئی

آٹھ ماہ بعد ثاقب اس سے ملنے آیا یہ ٹھیک ہی تھا کہ وہ گوہر سے محبت کرتا تھا اب وہ گوہر سے ملنے سال میں ایک بار آ جاتا' گوہر کے لیے یہی کافی تھا سارہ اسکول جانے لگی تھی وہ ابھی بھی سارہ کو پسند نہیں کرتا تھا اس پر ایک نظر ڈالتا اور بس' جن دنوں ثاقب آتا گوہر سارہ کو امی ابا کے یہاں چھوڑ دیتی۔ ثاقب شاذ و نادر ہی سارہ کو دیکھ پاتا سارہ سات سال کی ہوئی تو ثاقب اس پر نظر ڈال کر نظر ہٹانا بھول گیا۔

"ادھر آؤ" ثاقب نے اسے پہلی بار بلایا اپنے پاس بٹھایا باتیں کی اس کے بال سہلانے لگا گالوں پر چٹکی لی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا گوہر بہت خوش ہوئی' سارہ بھی خوش نظر آنے لگی بہت دیر تک نئے نئے بنے پاپا سے باتیں کرتی رہی۔ پاپا اسے آئسکریم کھلانے لے گئے ثاقب کی سارہ سے یہ ملاقات اتفاقیہ تھی سارہ تھوڑی دیر کے لیے گھر آئی تھی اس کے نانا کو کہیں جانا تھا اور وہ اسے گوہر کے پاس چھوڑ گئے ثاقب کو تو کوئی پسند ہی نہیں کرتا تھا وہ آتا چند ہفتے صرف گوہر کے پاس ہی رہ کر چلا جاتا۔

سارہ کو ثاقب نے اپنے پاس ہی رکھ لیا وہ اسے گھمانے لے جاتا گوہر جاب پر چلی جاتی وہی اسے اسکول چھوڑ دیتا۔ لے بھی آتا سارہ پاپا کو پسند کرنے لگی پاپا جو اس کا نہیں تھا لیکن بنا ضرور تھا ثاقب کے اس بدلے انداز پر گوہر نے جاب سے ایک ماہ کی چھٹی لے لی اور وہ سب مل کر گھومنے امریکہ چلے گئے ثاقب پاکستان واپس چلا گیا چند ماہ میں ہی پھر آ گیا پہلے ثاقب ایک لمبے وقفے کے بعد آتا تھا گوہر چھٹی لے لیتی تھی اب اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا' لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ وہ وقت سے ذرا پہلے آ گئی سارہ کو اسکول لینے گئی پتا چلا ثاقب اسے لے کر جا چکا تھا جبکہ ثاقب نے اسے کہا تھا کہ آج اسے کسی ضروری کام سے جانا تھا۔

وہ گھر آئی بیل دیتی رہی اگر ثاقب گھر آ چکا تھا سارہ کو لے کر تو وہ گھر لاک کیوں تھا اس نے چابی نکال کر دروازہ کھولا فون نکال کر ثاقب کو فون کیا اس کا فون آف تھا۔ چار بجنے والے تھے اس نے دو گھنٹے دونوں کا انتظار کیا کہ شاید سارہ کو کہیں گھمانے لے گیا ہو۔ گوہر کو تشویش ہوئی وہ فون پر فون کرتی رہی ثاقب کو' اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ ثاقب کا فون چارجنگ نہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا ہو۔

انتظار کرتے کرتے تین گھنٹے اور گزر گئے وہ کھانا پکاتی رہی رات ہونے لگی اس نے پاپا کو کال کی وہ بھاگے آئے۔

"سارہ کو تم نے اس کے ساتھ کیوں جانے دیا۔" وہ آتے ہی چلانے لگے۔

"وہ اسے اکثر گھمانے لے جاتا ہے پاپا۔"

"کیوں جانے دیتی ہو ثاقب کے ساتھ تمہیں کتنی بار منع کیا میں نے۔" وہ ٹھیک کہہ رہے تھے انہوں نے بہت بار گوہر کو منع کیا تھا کہ وہ ثاقب کے ساتھ سارہ کو اکیلا نہ چھوڑا کرے۔ ثاقب کے ساتھ رہتے گوہر یہ سب باتیں بھول جاتی تھی۔ اس کی شخصیت کا جادو گوہر کے سر چڑھ کر اسے مدہوش رکھتا تھا وہ اس کی باتوں کے سحر میں ڈوبی رہتی ثاقب سارہ کو پسند کرنے لگا تھا اور گوہر اس پر بہت خوش تھی باقی وہ سب بھول گئی تھی' پاپا نے پہلی فرصت میں پولیس کو فون کیا گوہر حیران رہ گئی۔

"پولیس کیوں پاپا۔" پاپا نے صرف اسے گھورا۔

"تمہیں وہ ہمیشہ اچھا لگا اور مجھے ہمیشہ برا۔ تمہاری آنکھوں پر محبت کی پٹی تھی اور میری پر تجربے کی۔ تم نے کبھی میری نہیں سنی گوہر سوچا تھا ماں بن کر ضرور سمجھنے لگو گی لیکن جانچ پرکھ والی آنکھ ہی تم نے بند کر رکھی ہے۔"

پولیس آ گئی۔ گوہر کا بھائی' بہن اور بہنوئی بھی آ گئے دونوں کا کچھ پتا نہیں تھا رات گزرنے لگی گوہر بے ہوش ہو کر اسپتال پہنچ گئی۔ ایئرپورٹ سے کنفرم ہو چکا تھا ثاقب نامی پاکستانی آدمی رات نو بجے کی فلائٹ سے جا چکا تھا' سارہ کا کچھ پتا نہیں تھا۔ سارہ گم شدہ تھی پولیس ڈھونڈ رہی تھی رات گزر رہی تھی گوہر بار بار ہوش میں آ کر سارہ کا پوچھ کر بے ہوش ہوتی رہی۔ رات بھر پولیس سارہ کو ڈھونڈتی رہی۔ گوہر کے پاپا بھائی رات بھر دوڑ دھوپ کرتے رہے۔

دن چڑھے شہر سے دور آبادی سے دور ویرانے میں جنگل کی طرف کرائے کی ایک کار کی پچھلی سیٹ پر سارہ نیم مردہ حالت میں ملی کوئی ہوش والا اس کی حالت کو دیکھ کر ہوش میں نہیں رہ سکتا تھا۔

گوہر کی سارہ نوری کی سارہ جاوید کا سودا۔

ٹھیک اسی رات پہلی بار وہ گرو نوری کے خواب میں آیا تھا نوری ڈر کر سارے گھر میں بھاگتی پھری چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

"میرا دل پھٹا جا رہا ہے جاوید۔" وہ زمین پر لڑھک گئی جاوید کے لیے مشکل ہو گیا اسے سنبھالنا۔ کانوں پر ہاتھ رکھے فرش پر پھیلتے اس نے ایک دلخراش چیخ ماری پھر بھاگ کر سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تیسری سیڑھی سے گر گئی اور منہ سے خون نکلنے لگا۔ جاوید نے رکھ کر دو طمانچے مارے منہ پر۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا ہوا؟ کیا موت پڑی ہے کیسے دیکھ لیا خواب میں۔" خواب تو وہ بھول گئی نجانے کیا کیا یاد آ رہا تھا اور یاد بھی نہیں آ رہا تھا۔ جاوید نے اس کا منہ صاف کیا ساتھ لے کر آیا بیڈ پر سلایا۔

"نوری یہ حرکتیں چھوڑ دے مجھے غصہ نہ دلایا کر ورنہ گھر سے نکال باہر کروں گا۔" جاوید نے الماری میں سے نکال کر دو نیند کی گولیاں اسے دیں اور لائٹ بجھا کر خود سو گیا نوری "جاننے نہ جاننے" میں معلق سوتی جاگتی رہی۔

جس حمل سے اب نوری تھی اس بچے کے دماغ

میں پانی تھا ڈاکٹروں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ پیدا ہوا بھی تو نہیں بچے گا اور پیدا ہونے سے پہلے ایک بھی مر سکتا ہے اور دونوں بھی۔ نوری نے چھ مہینے تکلیف سے چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھائے رکھا دھرتی ہلائے رکھی پر بچے کو پیٹ میں ہی رکھا۔ ساتویں مہینے دنیا میں آیا اسپتال میں رہا نوری پندرہ دن بعد گھر آگئی اور پورے نو ماہ کا ہو کر بچہ مردہ ہو کر گھر آگیا۔ نوری نے جاوید کا گریبان پکڑ لیا۔

"بچہ دے میرا بچہ نکال جاوید بچہ چاہیے مجھے۔" اس کی میت کی پاس وہ یہ کہتی رہی۔ "نکال میرے بچے دے میرے بچے۔" اٹھتے بیٹھتے وہ یہ کہنے لگی ایک دو بار تو جاوید نے برداشت کر لیا پھر رکھ رکھ کر مارنے لگا گالیاں دیتا رہتا۔ جب حمل نہیں ٹھہرا تھا تو نوری مزاروں پر دیے جلاتی، جمعراتوں کی پابند ہو گئی تھی۔ صبح و شام درباروں میں گزارتی، ایک بار پہلے بھی وہ درباروں کی ہو گئی تھی جب اسے جاوید سے شادی کرنی تھی۔ اماں کہا کرتی نوری نماز پڑھ لے نماز پڑھ لے اور وہ دربار جاکر منت کے نفل پڑھتی رہتی وہ دو بیٹیوں کی ماں تھی لیکن اب اسے صرف ایک لڑکا اور چاہیے تھا۔ لڑکا اسے اس شدت سے چاہیے تھا جیسے وہ صدا سے بے اولاد ہے بانجھ ہے اولاد والی ہوئی ہی نہیں، ماں بننے کا مزا چکھا ہی نہیں۔ ابا کے مرنے کے بعد اسے لڑکی ذات سے نفرت ہو گئی اس رات وہ گھر آکر سو نہیں سکی تھی پہلی بار بہت واضح خلل آیا تھا اس کی ذات میں اس کی اماں نے کس دھڑلے سے اس کی پوٹلی کھول دی تھی۔ نوری کو بددعا لگ گئی تھی کس کی؟ کس کس کی نہیں لگی ہو گی۔ ابا کی قبر میں پہلی رات اس کی اپنی پہلی رات بن گئی اس کا حساب کتاب شروع ہو گیا وہ تھر تھر کانپنے لگی ایسی کپکپاہٹ جو نظر نہیں آتی، جو تھمتی بھی نہیں اس نے ڈھیروں ڈھیر چیزیں منگوا کر بچوں میں بانٹنی شروع کر دیں گاؤں میں جس جس کا جب بھی دل پریشان ہوتا وہ یہی کرتا۔ نوری کا دل پھر بھی ویسا ہی رہا اسکول سے گڑیا مانو آجاتیں انہیں سلا کر وہ دربار آجاتی۔ جاوید فون کرتا

"گھر آنا ہے کہ نہیں" وہ دیکھتی رات ہو گئی کتنی اذانیں، جماعتیں کھڑی ہو چکیں اور وہ وہیں ایک طرف کی ایک طرف بیٹھی رہی۔ وہ دعا کرتی کہ وہ منحوس ہیجڑا مرجائے اس کی جان لے کر ہی ٹلے گا کیا۔ بدھائی میری بدھائی۔ بتا کسے کھلائی میری بدھائی؟ کون کھا گیا میری بدھائی۔

ایک دن سڑک کے پار بیٹھے فقیر کے کالے کشکول میں اس نے چند سکے اور پیسے ڈالے۔ دو ہی قدم چلی تھی کہ سکے کو اس نے اپنے پیروں کے پاس آتے دیکھا سکے کی کھنک کی آواز اتنی گونج دار تھی نوری رک گئی… پلٹی… کبھی کسی نے کہا تھا کہ جو پلٹتا ہے پتھر کا بن جاتا ہے۔ ٹھیک کہا تھا قیامت اور حشر کا پتھر ہو جانا جب پاؤں زمین میں ہی دھنسے رہیں گے اور دل دہل کر پگھل جائیں گے جب ارواح بین کریں گی آہ و بکا کریں گی اور کہیں گی "یہ کیا کیا تو نے ہمارے ساتھ ہمیں رسوا کیوں کیا؟"

فقیر کشکول کو سڑک پر الٹ چکا تھا۔ اس نے فقیر کی طرف دیکھا اور فقیر نے اس کی طرف… اور بس… اور نوری کی روح کی آہ و بکا شروع ہو گئی "کیوں لے ڈوبی مجھے، یہ کیا کر دیا میری لگا میں نفس کے ہاتھ میں دے دیں اے نوری تجھے خدا پوچھے۔" نوری بے نور ہو گئی سکے کی گونج سے اس کے کان پھٹنے کے قریب ہو گئے اس کی سانسیں اندر جاکر گم ہو رہی تھیں باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا انہیں، سکے اور پیسے سڑک پر بکھرے ہوئے تھے لوگ آجا رہے تھے پوں پاں کرتی گاڑیاں، رکشے، بسیں گزر رہی تھیں وہاں کھڑی ایک ذات جامد اور ساکت تھی۔ "نوری"

فقیر کشکول کو خالی کیے بیٹھا تھا… اس کا کشکول کہہ رہا تھا "ہونہہ" فقیر اس کشکول کو تھامے بیٹھا تھا اور نوری کو دھتکار چکا تھا۔

"کن کے لیے دیے جلانے آئی ہو… کیا چاہیے اب… یہ جو کشکول انسانوں نے تھام رکھے ہیں نا یہ کبھی نہیں بھرتے کبھی نہیں… بچے بیچ کھائی ہو۔ ایمان بھی بیچ کھاؤ گی… اپنی کھال کے اندر کا سودا کر ہی

بیٹھی ہو نا توبہ کرنے نہیں آتی اور اور مانگنے آجاتی ہو اور کتنا چاہیے کب تک چاہیے اے انسان تو انسان کب بنے گا انسان نہیں بنتا تو بے لگام نفس پرور بھی نہ بن۔ مجھے بھیک دیتی ہو۔ آ میرے ساتھ تو بھی بیٹھ جا۔ کٹورا پکڑ لے۔ صدائیں لگا معتبر رہے گی، بچی رہے گی۔ صدا لگا کر مانگ، التجا سے مانگ چل آ بیٹھ میرے ساتھ۔"

ایک رشید والا، ایک بیگم گوہر کا، ایک بیگم کی سہیلی کا، ایک وکیل عورت کا، اس نے سب کے ناموں کے سکے پیسے بار بار چنے اپنے بٹوے میں رکھے رکشا لیا اور گھر آگئی۔ وہ سکے اور پیسے لاکر اس نے جاوید کے منہ پر دے مارے۔ "میری تیری کمائی" وہ دھاڑی۔

"کمینی" وہ اس کی طرف لپکا

"سودے باز" وہ اس سے زیادہ چیخی اور گالیاں دیتی رہی نوری کے دن پورے ہو رہے تھے اسے پیٹ کے وہ دن یاد آرہے تھے جن میں بچے آکر ٹھہرے تھے اس کے جسم میں ہر ہر بچے کا لمس جاگنے لگا اس پر ہر ہر بچے کی ابتدا ہونے لگی منہ کے راستے وہ بہت کچھ پیٹ میں ڈال چکی تھی جو کوکھ میں پلے تھے انہی کی وجہ سے پیٹ بھرا تھا۔ انسان کی ازلی بھوک جو کبھی ختم نہیں ہوتی، شیطان کے ہاتھوں سارا ایمان بیچ کر بھی۔ اب یہ بھوک کوکھ میں اٹھنے لگی تھی ایک در بند ہوتا تو دوسرا منہ کھول لیتا۔ ایسے ہی ایک بھوک ختم ہوئی تو دوسری بے دار ہونے لگی۔ نوری عورت سے بیوی سے انسان سے ماں بننے لگی اب اسے اجنبی زبانیں سنائی دیتیں وہ جو اس کے چار بچوں کی تھیں اجنبی زبانوں میں اسے خواب آتے۔ اجنبی لوگ اسے نجانے کیا کیا کہتے رہتے جانے کہاں کی مخلوق تھی جو آتی اور اسے دھتکار کر سنا کر چلی جاتی۔ نوری، نوری نہ رہی وہ ماں بننے لگی اس دن پہلی بار۔ جاوید سفید ماربل کے فرش پر رکھے اسی ہزار کے ڈریسنگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھا روسٹ کھا رہا تھا۔ بوٹی بوٹی توڑ رہا تھا، نوری نے اپنا پنجہ مارا اور اس کے دانتوں میں دبی ہوئی بوٹی کھینچ کر باہر نکالی، جاوید گڑیا مانو تینوں بیک وقت ڈر کر اسے دیکھنے

لگے۔ اس نے اپنی انگلیاں اس کے منہ میں گھسا دیں۔ "نکال میرے بچے… میرے بچے نکال۔ نکال انہیں باہر۔"

کرسی گری… ٹیبل پر رکھے سب برتن گر گئے، جاوید نے اس کو دھکا دے کر خود سے الگ کیا اس وقت تک وہ اچھی طرح اس کا منہ کھرچ چکی تھی۔ اس کے منہ میں سے خون نکلنے لگا۔

"اماں!" گڑیا اس کی طرف لپکی۔ مانو ڈر کر رونے لگی اور اس کی طرف آنے لگی تو سالن سے پھسل کر گر گئی سر فرش پر زور سے لگا جاوید نے لپک کر مانو کو اٹھایا اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے اسے صوفے پر لٹایا پانی پلایا نوری پکے فرش پر اپنا سر مار رہی تھی۔ خون نکل کر بہہ رہا تھا وہ دیوانی ہو گئی تھی۔

"مجھے میرے بچے چاہئیں۔ مجھے میرے بچے دے دے۔"

جاوید لپک کر اس کی طرف آیا گڑیا الگ رو رہی تھی بہت خون نکل رہا تھا۔ جاوید نے اسے قابو کرنا چاہا۔

"مجھ پر رحم کر۔" وہ چلانے لگی "میرے یہاں، یہاں، یہاں وہ ہیں۔" اس نے نجانے کہاں کہاں اشارے کرنے شروع کر دیے جاوید بمشکل اسے اٹھا کر کمرے میں لایا ڈاکٹر کو بلایا اس نے انجکشن لگایا تو وہ سو گئی لیکن وہ نہیں سوئی وہ آنکھیں جو کسی کی تھیں لیکن اس کے وجود میں اگی تھیں وہ کروڑوں دھڑکنیں لامحدود، سانسیں جو اس کی نہیں تھیں لیکن

اسی میں تھیں اسے چین نہیں لینے دے رہی تھیں نیند تو سکون والوں کو آتی ہے اسے اب نیند کیسے آتی؟

ایسے دورے اسے آئے دن پڑنے لگے۔ جاوید فیکٹری اور اسٹور میں لگا رہتا اس کے پاس اب وقت نہیں ہوتا تھا' وہ دیواروں سے ٹکریں مارتی' بھوکی پیاسی کسی کونے میں پڑی رہتی گڑیا گیارہ سال کی ہو چکی تھی اتنی بڑی تو نہیں تھی پھر بھی تھوڑا بہت گھر کا خیال رکھ لیتی تھی۔ گھر میں دو کل وقتی ملازم بھی آگئے تھے وہ اپنی لوٹ کھسوٹ میں لگے رہتے جاوید آکر اسے باتیں سنا کر چلا جاتا۔

"میں دوسری شادی کرلوں گا نوری۔" ایک دن دھمکی دینے لگا۔

اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے کھڑے اس نے اجڑی آنکھوں سے جاوید کو دیکھا۔ "نئی فیکٹری لگانے لگا ہے۔" نوری نے دانت کچکچائے جاوید نے الٹے ہاتھ کا ایک چانٹا لگایا۔

"کس چیز کے طعنے دیتی ہے مجھے تو بھی میرے ساتھ تھی۔"

"وہی تو"

"اتنے بڑے بڑے گھروں میں گئے ہیں سب عیش کرتے ہوں گے۔"

"گھر تو یہ بھی بڑا ہے۔"

"یہ گھر اب بڑا ہوا ہے۔ تو سمجھتی کیوں نہیں۔"

"سمجھنے لگی ہوں اب۔"

"دماغ سے یہ خناس نکال' جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہے' گھر سنبھال' بچوں کا خیال کر۔ نوکروں پر گھر چھوڑ رکھا ہے سب پاگل کہتے ہیں تجھے۔"

"میں سمجھی کچھ اور کہتے ہوں گے۔" مدہوش سوگوار سا انداز۔

"بچوں کا خیال کر نوری۔" جاوید اس کے قریب آیا۔

"کس کس بچے کا۔" نوری کی آنکھیں اور ویران ہوگئیں وجود میں دھڑکتی سب کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"اپنی حالت بدل لے آخری بار کہہ رہا ہوں۔ دوسری ملنے میں مجھے دیر نہیں لگے گی اپنا گھر برباد نہ کر۔"

"بربادی کی اب کسے پڑی ہے۔"

"تو کیسی باتیں کرتی ہے۔" وہ جھنجھلا گیا کیونکہ وہ ہمیشہ سے سیدھا سادا ہی رہا تھا اس لیے نوری والی سوچ میں نہیں پڑا تھا۔ گھاک ہوا کاروبار کے لیے عیار ہوا پیسے کے لیے مکار بنا پیٹ کے لیے وہ سیدھا ہی رہا نہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بیٹھتا نہ کبھی بے چین و بے قرار ہوا۔ کماتا' کھاتا اور سو جاتا۔ گالیاں دیتا بھول جاتا گالیاں سنتا وہ بھی بھول جاتا پیسے گنتا تھا یاد رکھتا تھا خرچ کرکے بھول جاتا تھا سیدھا سادا ہی تھا وکانوں پر بیٹھنے والے' کتنا مال گیا یاد نہیں رکھتے کتنا مال بنا یہ یاد رکھتے ہیں۔

رات گئے وہ ہڑبڑا کر اٹھی بس ابھی آنکھ لگی تھی اس کی تو۔ جاوید الماری کھنگال رہا تھا بہت جلدی میں تھا۔

"نوری اٹھ جلدی کر تھوڑا سامان رکھ جلدی اٹھ۔" اسے اٹھتے دیکھ کر وہ اپنے کام کرتا جلدی جلدی بولا وہ اٹھ بیٹھی۔

"یہ بیگ پکڑ کر تھوڑے سے کپڑے رکھ لے گڑیا کو اٹھا جا کر تیری مدد کروائے۔"

"کیا ہوا؟" اس نے جاوید سے بھی پوچھا اور خود سے بھی کہ کیا ہوا تھا کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"جو کہا وہ کر اٹھ بس تھوڑے دنوں کے لیے شہر سے باہر جانا ہے۔" وہ نہیں اٹھی جاوید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اٹھ جا نوری۔" وہ پھر چلایا۔

"کون مرا ہے؟" اس کے انداز پر جاوید اپنے کام سے ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کوئی نہیں۔"

پٹ پٹ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ کیا خبر کیوں لیکن گرنے لگے ترس آمیز نظروں سے جاوید نے اسے دیکھا اس کے آنسو صاف کیے۔

"نوری تجھے کیسے پتا چلا۔" جاوید نرمی سے پوچھنے لگا۔

"کیا؟" نوری کا "کیا" اتنا درد انگیز تھا کہ جاوید نے اسے سینے سے لگالیا۔

"کہ کوئی مر گیا۔" وہ بولا۔

"کیا کوئی مر گیا؟"

"وکیل اس کے گھر فائرنگ ہوئی ہے بیگم فاخرہ۔"

"جو ہمارا بچہ لے گئی تھی نا... اسی کے گھر نا!"

نوری ایسے پوچھ رہی تھی جیسے دکان دار سے کپڑے کی قیمت پوچھ رہی ہو۔ نوری خاموش بیٹھی رہی پھر بنا دوپٹے اور جوتی کے گھر سے باہر بھاگی رات تین بجے کا وقت تھا وہ باہر کا دروازہ کھول کر سڑک پر نکل آئی تیز تیز بھاگنے لگی پیچھے ہی جاوید تھا۔ اس کے پیچھے آوازیں دیتا بھاگ رہا تھا لیکن وہ بڑی سڑک پر بھاگتی رہی۔ آنسو نکل نکل کر زمین پر گرتے رہے۔ جاوید نے اسے پیچھے سے جالیا۔

"نوری خدا کے لیے مجھ پر رحم کر۔"

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کر۔" نوری سنسان سڑک پر چلانے لگی۔ "چھوڑ مجھے۔ جانے دے وہاں مجھے۔ میں جاؤں گی وہاں۔" سنسان سڑک پر نوری کی آہ و بکا گونجنے لگی۔

"چل میرے ساتھ وہاں۔" جاوید مان گیا۔ گڈو نے جاوید کو فون کرکے کہا تھا کہ وہ وہاں سے فی الحال چلا جائے ہو سکتا ہے اس کے دشمن نئے فیکٹری مالکان پر بھی غصہ نکالیں۔ یہ وہ لوگ بھی ہو سکتے تھے جن سے ان دونوں نے قبضہ لیا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا منظر سے غائب ہو جانا ہی ٹھیک تھا ارادہ بدل کر جاوید نے گڈو کو فون کیا اور اسے سب بتایا اور جاوید نوری کو ساتھ لے کر ڈیفنس میں واقع اس کی کوٹھی لے آیا۔ فاخرہ کے گھر آدھے گھنٹے تک فائرنگ ہوتی رہی تھی گھر چھلنی پڑا تھا پولیس کی نفری موجود تھی گھر سیل تھا۔ چوکیدار کی' کل وقتی ملازم کی' گھر کی مالکن کی اور مالکن کے گود کی بچی کی ہلاکت ہو چکی تھی۔ لاشیں اٹھائی جاچکی تھیں وہ دونوں اسپتال آگئے وہاں چوکیدار اور ملازم کے خاندان کا مجمع اکٹھا تھا۔ عورت کی طرف سے کوئی نہیں تھا اور بچی کی ماں نوری پہنچی تھی وہاں۔ چوکیدار کے بیوی بچے رو رہے تھے' ملازم کی ماں بہنیں بین کر رہی تھیں اور نوری وہ جاوید کے گلے سے جھول گئی۔

"ایک کا جنازہ تیار ہو گیا۔" اس کی آواز وہاں موجود ہر زندہ اور مردہ وجود کو پار کر گئی۔ "میری بچی میت بن گئی ہم نے اسے مار دیا ہم قاتل ہیں اس کے" نوری گری اور بے ہوش ہو گئی۔

بچے کی حوالگی کے قانونی کاغذات پولیس کو دکھائے اور جاوید بچے کا مردہ جسم لے کر گھر آگیا۔ جسم ڈبے میں سیل بند تھا جسے کھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایسی لاشیں جو بری طرح مسخ ہو چکی ہوں انہیں ایسے ہی سیل بند کرکے دیا جاتا ہے۔ نوری تابوت سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ نوری اس بچی نیلم کی ماں اپنے گناہ کو کوس رہی تھی پر اب دیر ہو چکی تھی۔ بہت دیر ہو چکی تھی فیکٹری کا مالک ابھی بھی جاوید ہی تھا۔ فائرنگ والے وہی لوگ تھے جو اس عورت کے خاندانی دشمن تھے۔ ماضی سے چلتی آرہی تھی دشمنی ساری جائیدادیں چھین لی تھیں جانیں چھین لی تھیں۔ بھائی اسی ڈر سے باہر بھاگ گیا تھا۔ جاوید اور گڈو نے فیکٹری پر قبضہ کیا تو ان کا پرانا غصہ اُمڈ آیا۔ جائیدادیں انہیں بہت تھیں ایک عورت کا یہ منہ توڑ جواب انہیں اچھا نہیں لگا۔ باقی معاملہ بھی گڈو نے ہی سنبھالا بالا ہی بالا ان سے معاملات طے کیے ان دونوں کی ذاتی دشمنی تو تھی نہیں' بات صاف کی کہ عورت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ دشمنی چلتی بنی ہاں فیکٹری ہاتھ سے نکل گئی۔

جاوید ایک عرصہ پیچ و تاب کھاتا رہا اتنا گھاٹے کا سودا نہ بچی رہی نہ فیکٹری وہ اور گڈو اب مل کر ایسی ہی دوسری فیکٹری لگا رہے تھے اتنے پیسے تھے اب ان کے پاس فیکٹری نے ان دو سالوں میں انہیں خوب منافع دیا تھا۔ جاوید پھر سے اپنی جمع تفریق میں لگ گیا۔ بچی تفریق ہو گی۔ قلم اٹھا کر اس نے دیوالیے کے خانے میں بھی نیلم کا نام نہ لکھا۔

نیلم انسانوں سے مردوں میں شامل ہوگئی۔ صرف آدھ گھنٹہ نیلم کا تابوت نوری کے پاس رہا صرف آدھ گھنٹہ وہ اس کے پاس رہی نوری نوری نہ رہی۔

وہ گاؤں بھاگی۔۔۔ رو رو کر اس نے سارا گاؤں اکٹھا کرلیا' نہ وہ اس گھر سے نکلتی۔ نہ اس کی بچی مرتی۔ اس کی حالت پر گاؤں کی عورتیں جو اپنی چھتوں کے ساتھ لگی دیواروں پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں بلبلا اٹھیں۔ بھابیوں نے بڑھ بڑھ کر سینے سے لگایا۔

"اماں میں اپنے بچے کھا گئی۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔

"سب کھا گئی۔ سال سمجھ کر کھا گئی' خون پی گئی۔"

بھائی سینے میں چھپائے بیٹھے رہے لیکن اب اسے چین نہیں مل رہا تھا۔ اب اسے چین نہیں ملنا تھا اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ بھابیاں ہاتھ پاؤں دبانے لگیں وہ اکیلی ہی گاؤں آگئی تھی۔ منہ اندھیرے ہی نکل آئی تھی جب وہ ہیجڑا آیا تھا تب وہ تالی بجا رہا تھا ٹھمکے لگا رہا تھا ناچ رہا تھا' گا رہا تھا نوری او نوری کر رہا تھا۔

"آنچل کے بدھائیاں لے آ ناچ لے گا لے خوشی منا۔"

اماں کے گلے سے لگ کر اس نے ایک ایک بات بتا دی۔ اماں پھونکیں مارتی رہیں۔ حاجن بی کو بلوایا انہیں سب بتایا۔ نوری نے صاف صاف بتایا کہ وہ راضی بہ رضا تھی بچے بیچنے میں۔ اسے معصوم نہ سمجھو اسے بے گناہ انجان بھولا نہ سمجھو۔ وہ سب سودے جانتی تھی۔ وہ ہر سودے میں شریک تھی۔ وہ ماں کبھی نہیں بنی' وہ انسان بھی کبھی نہیں بنی۔ وہ گوشت کے لوتھڑے سونے کے بھاؤ بیچتی رہی وہ سارے حساب کتاب کرنے والی تھی۔

اماں حاجن بی سن سن روتی رہیں کوئی اور ہوتا تو ضرور بار بار کانوں کو ہاتھ لگاتا لعن طعن کرتا تھوک دیتا۔ ماں تھی صبر کرکے بیٹھی رہی توبہ استغفار کرتی رہیں۔

"مجھے معافی دے اماں۔" اماں نے بڑھ کر پیشانی چومی۔

"معافی دلوادے اماں۔" اس پر اماں خود ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئی چھوٹی انگلی میں تسبیح تھی۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ "دعا کرو ان سب کے لیے وہ سب خوش رہیں" حاجن بی نے کہا۔

"اولاد بنا کر لے کر گئے ہیں انہیں اولاد ہی بنا کر رکھیں گے۔"

چند دن گاؤں رہ کر نوری واپس آگئی گڑیا اور مانو پر توجہ کرنے لگی جو اس کے پاس تھیں ان کا اسے خیال رکھنا چاہیے تھا۔ اس کی ذات میں بدلاؤ آیا ساتھ کرب اور تکلیف ہی لایا بس۔

☼ ☼ ☼

نیم مردہ حالت میں سارہ کو اسپتال لایا گیا تھا اور گوہر کو زبردستی اس کا بھائی گھر لے گیا تھا تاکہ وہ سارہ کو نہ دیکھ لے گوہر کو ہسٹریائی دورے پڑنے لگے اس کی لاڈلی کے ساتھ یہ سب کچھ ہوگیا تھا۔ ثاقب نکل چکا تھا اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ یہ سب اسی شیطان کا کیا تھا وہی شیطان۔ جس سے اس کا پاپ بار بار اسے خبردار کرتا رہا تھا۔ بچے والدین کے ہر تجربے کو جھٹلا کر اپنا تجربہ خود کرنا چاہتے ہیں۔ گوہر جیسی ضدی لڑکی نے اپنے خاندان کی "نا" کے باوجود ثاقب سے شادی کی اتنے سال اس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسے پہچان نہ سکی۔ ٹھیک کہا تھا کسی نے کہ خوب صورتی کے پتلے کو وہ ساتھ رکھنے کے لیے لایا ہے بیوی اور ماں وہ پہلی بیوی کو بنا چکا ہے۔ وہ بس ماڈل بنی اس کے پہلو سے لگی رہے دونوں مرد عورت کا کھیل کھیلتے رہے۔ بس

وہ فوراً" پاکستان آکر اسے پکڑوانا چاہتی تھی' اس نے ایسا کیوں کیا' سوچا بھی کیسے۔ نام کی ہی سہی بیٹی تھی اس کی' واقعی گوہر بہت بھولی تھی اس کی ماں نے تاسف سے اسے دیکھا "یہاں سگے باپ بیچے نہیں اور گوہر کو یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ ثاقب تو اس کا پاپا بن چکا تھا۔ پاپا بن جانے اور پاپا ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے' یہ فرق ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ فرق انسان مٹاتے ہیں شیطان نہیں۔"

ثاقب دو بیٹوں کا باپ تھا بیٹی کا نہیں۔ خود سے بارہ سال چھوٹی لڑکی کا شوہر تھا۔ نجانے اپنے غیر ملکی دوروں پر کیا کیا کرتا ہوگا۔ گوہر نے زندگی میں ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ اس کی فیملی آخر کیوں ثاقب کو پسند نہیں کرتی۔ صرف اس کا شادی شدہ ہونا ہی مسئلہ نہیں تھا۔ پہلی بار جب پاپا اس سے ملے تو انہوں نے صاف انکار کردیا کہ وہ اس سے شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں آخر میں وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے "اگر وہ برا نہیں ہے تو اچھا بھی یقیناً" نہیں ہے' ثبوت تو نہیں ہے میرے پاس ہاں چھٹی حس ضرور ہے۔"

چھٹی حس کس زمرے میں آتی ہے؟ محبت کے زمرے میں تو بالکل بھی نہیں۔ گوہر اس کی محبت میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اب اس کی نفرت میں پاگل ہو رہی تھی۔ اتنے سال اس کے ساتھ رہتے اسے جان نہیں سکی۔ یہاں گوہر ٹھیک تھی عشرے گزار کر انسان خود کو نہیں جان سکتا کسی کو کیا جانے گا۔

سب نے گوہر کو سمجھایا کہ اب سارہ کو اس کی ضرورت ہے' پاکستان جیسے ملک میں جہاں ہزاروں ایسے واقعات ہوتے ہیں اور کوئی سنوائی نہیں وہاں وہ ثاقب کو کیسے سزا دلوائے گی۔ وقت ہی ضائع ہوگا اور یہ وقت اب صرف سارہ کو چاہیے گوہر سارہ کو دیکھ دیکھ روتی رہتی' وہ زندہ بچ گئی تھی لیکن اب وہ صرف سارہ نہیں رہی تھی۔

جس کی چیخوں سے سناٹا گونج اٹھا ہو اب اس کی مسکراہٹوں سے زندگی کیسے مہکے گی۔

گوہر نے اتنا ضرور کیا کہ پاپا کے ساتھ ایک آخری بار پاکستان گئی اس کی پہلی بیوی' دونوں بیٹوں کے سامنے ثاقب کا پول کھول کر آئی۔ ثاقب نے صاف انکار کردیا الٹا دھمکیاں دیتا رہا لیکن اسکول سے سارہ کو لے جاتے اسے بہت سے لوگوں نے دیکھا تھا اور پھر خود سارہ کا بیان۔

ثاقب نے گوہر کو طلاق دے دی۔ وہ اسے بیوی بنا کر رکھنا نہیں چاہتا تھا جو اپنے شریف شوہر پر کیچڑ اچھال رہی تھی گوہر ثاقب کی دی پر اپنی اس کے منہ پر مار آئی۔

دونوں میں سب کچھ شروع ہو کر ختم ہو چکا تھا۔ اور سارہ؟ اس کی زندگی پر اتنے سوالیہ نشان لگ چکے تھے کہ انہیں مٹانے کے لیے کئی زندگیاں چاہیے تھیں پر یہ سوال نہیں مٹتے بلکہ اور سے اور بنتے چلے جاتے۔

☼ ☼ ☼

امین بڑا ہونے لگا تو رشید بیمار رہنے لگا۔ مسافروں کے اڈے پر چائے کے ایک ہوٹل میں کام کرتا تھا وہ قریب ہی گھر تھا مدرسے سے آنے کے بعد امین کو بھی وہیں اپنے ساتھ لے آتا' امین ایک طرف بیٹھا پڑھتا رہتا' کام کرتا تو اور بیمار ہو جاتا۔ کام بھی نہ ہوتا ہر وقت پیٹ میں ایک طرف درد اٹھتا رہتا۔ زیادہ بیمار ہوگیا تو کام سے بھی گیا۔ بہت عرصہ اسی حالت میں رہا جلد کا رنگ سیاہ پڑنے لگا تو اسے تشویش ہوئی درد ناقابل برداشت ہوگیا' اپنی جان کی تو اسے رتی بھر بھی پروا نہیں تھی فکر اب امین کی تھی وہ سات سال کا ہونے والا تھا اب رشید کو فکر لگ گئی۔

رشید شہر آگیا سرکاری اسپتال سے ٹیسٹ کروائے' چاند جو دیسی شرابیں' چرس' گانجا پیتا تھا ان سب کی رپورٹس آئی تھیں اس کے گردے تقریباً" ناکارہ ہو چکے تھے اب اسے گردے واش کروانے آنا پڑے گا زندگی سکڑ سمٹ کر اس کے ہاتھ میں آگئی نظر آنے لگا تھا ناکارہ گردوں کے ساتھ اس کے پاس کتنی زندگی رہ گئی ہے۔ کسی ایک وقت کا کیا عمل کسی دوسرے وقت میں رد عمل دکھاتا ہے تو بال نوچ لینے کا جی چاہتا ہے جس وقت چاند مرجانے کے لیے تیار تھا میاں کی توبہ کے لیے اپنی شناخت کے لیے اس وقت جسم ہٹا کٹا رہا اب اسے امین کے ساتھ رہنا تھا تو قبر کی مٹی یاد کرنے لگی تھی۔

اس سے ایک بڑی غلطی ہوگئی' وہ تو یہ سوچ بیٹھا تھا کہ امین کو کسی وقت اس کے ماں باپ سے ملوائے گا لیکن ان کا اتا پتا نہیں رکھا تھا جس وقت امین اس کی گود

میں آیا تھا اس وقت وہ سب کچھ فراموش کیے بیٹھا تھا اس نے جلد سے جلد وہ شہر چھوڑنے کی سوچی۔ جاوید اور اس کے درمیان یہی طے ہوا تھا پھر وہاں اس علاقے میں لوگ ان دونوں کو جانتے تھے امین کو لے کر وہ سب کچھ بھلا دینا چاہتا تھا لیکن سب بھلا کر اس نے ٹھیک نہیں کیا' امین اسے ملا اور اب اس کے ساتھ تھا لیکن وہ خود امین کے ساتھ کب تک تھا وہ نہیں جانتا تھا اب وہ یہ سوچ سوچ کر دہل رہا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو امین کہاں جائے گا۔ امین کا کیا ہو گا؟ اس نے امین کو لیتے وقت اپنی موت کا نہیں سوچا تھا۔ دراصل سوچتا تو کوئی بھی نہیں' وہ بھی وہی بشر تھا موت سے بے خبر' لاپروا۔ وہ کیسے سوچ لیتا لیکن اب سوچ رہا تھا اسے اب موت سر پر کھڑی نظر آرہی تھی ہر چیز کا اختتام نظر آرہا تھا سب کچھ جاتا ہی دکھائی دے رہا تھا آتا کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

امین کی پیاری صورت دیکھتا تو افسوس کرتا کیا ضرورت تھی اسے لینے کی۔ اس نے بھی اپنے باپ والی ہی حرکت کی نا۔ ''پا کر چھوڑ دینے والی۔'' امین کی محبت میں پچھتا رہا تھا اب' اب کون تھا جسے امین کا خیال رکھنے کے لیے کہتا چند ہفتے پہلے ہی وہ اس جگہ سے ہو کر آیا تھا جہاں سے اس نے امین کو لیا تھا۔ وہاں ان کا کوئی نشان نہیں تھا۔ جاوید اور کہاں ملتا؟ کس کے پاس جاتا کہ اس کی مدد کرے وہ ایک مسئلے میں نہیں روگ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ امین کے پیار میں پاگل ہو رہا تھا اس کی جان ہلکان ہو رہی تھی امین کا سوچ سوچ کر کوئی امید نظر نہ آتی تھی رشید کو اندھیرا ہی گہرا ہوتا دکھائی دینے لگا۔

اسے سرحدی گاؤں چھوڑ کر پنجاب آنا پڑا' جہاں سے وہ گیا تھا' جہاں سے وہ بھاگا تھا بہت سکون میں تھا وہ گاؤں میں' اب پھر اسی گند کے قریب آگیا تھا۔

لاہور کی ایک غریب آبادی میں اس نے کرائے کا ایک گھر لیا۔ یہاں سے وہ سرکاری اسپتال سے مفت علاج کروا سکتا تھا آنا جانا بھی آسان تھا اس کے لیے اب وہ اتنا چاہتا تھا کہ کسی طرح چند سال ا. . زندگی میں گھسیٹ لائے تاکہ امین تھوڑا سا اور سمجھ دار ہو جائے۔

امین سرحدی گاؤں کے سادہ سے لوگوں میں رہتے بھولا بھالا سا ہی تھا میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہوٹل پر سب کا لاڈلا تھا اجنبی لوگوں کو دیکھ کر ڈر جاتا تھا رشید سے چپک جاتا تھا' رشید کے کانوں میں آ آ کر سرگوشیاں کرتا وہ اتنا پیارا صابر بچہ تھا کہ چند دنوں کا ہی تھا تب بھی گلا پھاڑ کر نہیں روتا تھا اس نے رشید کو اتنی آسانیاں دیں کہ رشید نے اسے آسانی سے بڑا کر لیا۔ وہ رشید کی لوری اللہ — اللہ'' پر آنکھیں موند لیتا اور آنکھ کھلنے پر چپ پڑا رہتا' وہ رشید کے لیے ایک تحفہ تھا جو نجانے سے اپنی یا کسی کی دعا کے ثمر میں چلا تھا

رشید اسے خوب پیار کرتا ابھی اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ اسے حالات کے بارے میں بتائے' وہ سن لے گا لیکن سمجھے گا نہیں وہ امین کا بابا جی تھا اور بابا جی کی وہ جان تھا۔

اب اسے علاج بھی کروانا تھا' جاوید کو بھی ڈھونڈنا تھا اور امین کا خیال بھی کرنا تھا۔ اس نے امین کو ایک مدرسے نما اسکول میں داخل کروا دیا جہاں وہ شام تک رہ سکتا تھا شام تک جاوید کا اتا پتا تلاش کرتا قریب کے چھوٹے شہروں میں جاتا وہ خود بھی مایوس ہی تھا لیکن کوشش کیے جارہا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد وہ منہ چھپا کر رات گئے اپنے پرانے ٹھکانے پر گیا اسی بازار جہاں کی وہ ڈھول تھا۔ وہاں اس کا ایک دوست تھا ''جوبلی'' کل پرزہ تھا ہر مسئلے میں فٹ ہو جاتا تھا۔ رشید نے اسے اپنا مسئلہ بتایا ساری بات بتادی۔

رشید کا دل پریشان ہو رہا تھا امین کو گھر سلا آیا تھا پر اس کا دھیان اس میں لگا تھا وہ بچہ کبھی اکیلا نہیں سویا تھا۔ دن کے وقت وہ یہاں آنا نہیں چاہتا تھا سو لوگ پہچان لیتے۔ اب سوچ رہا تھا کہ وہ کس سودے کے لیے رات کو آیا ہے راتیں گناہ ہی دن ہی بھلے۔ جوبلی اپنی ہانک رہا تھا رشید اپنی سوچ رہا تھا اب وہ منحوس مارا جوبلی نشے میں آتا جارہا تھا سر ہلا رہا تھا وعدہ نہیں کر رہا تھا کہ ''ہاں مسئلہ ای کوئی نئیں'' رشید جانتا تھا کہ جب وہ یہ کہہ دیتا ہے تو واقعی میں مسئلہ حل ہو جاتا ہے سر ہی ہلا دیا تھا کافی تھا یعنی اب کام ہو جائے گا یہ جوبلی کا سر ہلا تھا کسی عام آدمی کا نہیں نام نجانے کیا تھا پر بازار میں جوبلی کے نام سے جانا جاتا تھا ہر جگہ ہر پنگے میں ہوتا تھا ہر شخص کو جانتا تھا ہر ایک سے دوستی تھی اور انہی سے دشمنی تھی۔ اچھا تو نجانے کن کن کے ساتھ تھا لیکن برا بہت سوں کے ساتھ تھا ہر وقت گالیاں دیتا رہتا ایک پیک جیب میں رکھتا رشید سے چند سال چھوٹا تھا بھینسے کی طرح پھٹا ہوا تھا سر گنجا رکھتا ہمہ وقت چلتے وقت آس پاس والوں کو دھکے دیتا ٹھڈے مارتا آگے پیچھے ہنٹر مارتا رہتا کوٹھے پر کوئی نوٹنکی کرتی تو گردن سے پکڑ کر چوبارے سے نیچے لٹکا دیا کرتا تھا سارا بازار نوٹنکی والی کا تماشا دیکھتا رہ جاتا اور یہ گردن چھوڑ دینے کے قریب ہو جاتا نام ہی کافی تھا ایسوں کے لیے اس کا ''جوبلی''۔

رشید مر کر بھی اس کے پاس نہ آتا پر وہ جانتا تھا کہ جوبلی ہی ہے جو اب یہ کام کر سکتا ہے ہر جگہ اس کے رابطے تھے نہیں بھی تھے تو وہ بنا لیتا تھا رشید ملنگ بنا اس کے سامنے بیٹھا تھا جوبلی کو بڑی طمانیت ہوئی رشید کو ایسے دیکھ کر وہ اندر ہی اندر اکڑ رہا تھا کبھی وہ دونوں ساتھ کے تھے اب کیسے رشید مسکین بنا اس کی منت کر رہا تھا جوبلی کی رشید سے اچھی دوستی تھی دشمنی کہاں تھی۔ جوبلی کو اس نے ایک لاکھ دینے کا کہا' جوبلی کی آنکھیں کھل گئیں کون نہیں جانتا تھا کہ رشید کتنے پیسے والا ہے۔ جوبلی سراپا اقرار بن گیا۔ پیسے کے لیے تو وہ قبر سے مردہ نکال لائے۔

''ٹھیک ہے ہو جائے گا کام'' سر بھی ہلا اور زبان بھی' رشید مطمئن ہو کر گھر آگیا امین کو کہانیاں سنانے لگا خوش تھا آج رشید بہت نوالے بنا بنا کر اسے کھانا کھلایا اور پھر سلا دیا۔

امین کی ایک عادت تھی اسے زیادہ بھوک نہیں لگتی تھی لیکن سوتے میں اسے بار بار بھوک لگتی۔ وہ چند نوالے کھاتا اور سو جاتا اور رات بھر میں ایسا کئی بار ہوتا' رشید بہت شوق سے بار بار اٹھ کر اس کے لیے کھانا گرم کرتا اور اسے نوالے کھلا کر سلا دیتا بہت خوب صورت تعلق تھا دونوں کا' محبت آمیز' سکون بھرا ایسے تعلق کے لیے انسان ترستے ہیں۔

دو بار رشید کے گردے واش ہو چکے تھے پھر بھی اس کی تکلیف کم نہیں ہو رہی تھی وہ بہت لاغر ہوتا جارہا تھا' اس کی بیماری بڑھ رہی تھی' وہ بار بار جوبلی کی طرف چکر لگاتا جوبلی بہانے بہانے اور پیسے لیتا پھر جوبلی رشید کے گھر کے چکر لگانے لگا۔ اپنی عادت کا حامل امین اس کے جثے کو دیکھ کر ڈر گیا اور رشید کے پیچھے چھپ گیا۔ اس بدمعاش نے جانتے بوجھتے ہاتھ بڑھا کر امین کو آگے کیا۔ ''پتر جی مکھڑا وکھیوں ذرا'' رشید ضبط کیے بیٹھا رہا اب وہ جوبلی کو کیسے کہتا کہ بچے کا ہاتھ چھوڑ دے وہ ڈر رہا ہے۔ اتنی سی بات پر ہی جوبلی مرنے مارنے پر تل جاتا۔ امین رونے لگا باقاعدہ ''بڑا ڈرپوک اے کاکا۔'' جوبلی ہنسنے لگا رشید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا یہ وقت بھی آنا تھا جوبلی جیسے لوگ امین پر تبصرہ کر رہے تھے اسے رلا رہے تھے۔ جوبلی رشید کے گھر آنے جانے لگا ادھر ادھر کی سنا جاتا کہ یہاں گیا' اس سے ملا' یہ کیا' وہ کیا۔

قیامت کا وقت جارہا تھا' رشید تکلیف سے بے حال رہتا' چھ مہینے پہلے گردے واش ہوئے تھے۔ اب تین ماہ بعد ہونے تھے۔ امین کو کہاں چھوڑتا' پہلی بار دل مسوس کر جوبلی کے پاس ہی چھوڑ رہا تھا ہسپتال میں کہاں امین کو رکھتا۔ رشید بڑا مجبور ہو گیا تھا۔ اس کی جان نکلی تھی یہ سوچ کر کہ امین اس بازار کے کسی ٹھکانے میں رہے۔ اس نے ایک بار اسے سمجھا دیا کہ ''بیٹا جوبلی انکل کے ساتھ چلے جاؤ میرا ہسپتال جانا ضروری ہے یہاں بہت درد ہوتا ہے۔'' سر ہلا کر امین نے آنکھیں صاف کیں اور جی کہا۔ رشید کا دل کٹ گیا۔ ہائے ہائے کرنے لگا۔ ''میرے بچے مجھے معاف کردے۔'' رشید نے ہاتھ جوڑ دیے ''یہ کیا کر دیا میں نے تیرے ساتھ تجھ سے پھول کو کہاں چھپاؤں میں۔ جوبلی کے پاس امین کچھ کھاتا پیتا ہی نہ تھا' جوبلی کا کہنا تھا کہ گم سم امین ایک طرف پڑا رہتا ہے' رشید کے بغیر وہ

رہتا نہیں تھا اور جوبلی جیسے بندے کے ساتھ اسے رہنا پڑتا۔ امین کو جوبلی کے پاس چھوڑ کر رشید ہسپتال آگیا۔ گھنٹے بعد ہی بھاگ آیا بنا واش کروائے۔ امین کو ساتھ لیا اور گھر آگیا' جوبلی کی منت کی کہ جلد سے جلد اس کا کام کردے اب جب وہ علاج نہیں کروائے گا تو مطلب جلد ہی بستر پر پڑنے والا تھا اب وہ چاہتا تھا کہ رات سے دن نہ ہو اور امین کے اماں ابا مل جائیں' اس نے اخبارات میں اشتہار بھی دیے تھے لیکن نتیجہ صفر ہی نکلا۔ وہ جاوید اور نوری کو ڈھونڈ رہا تھا وہ دونوں اپنا بچہ نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

رشید بدترین وقت سے گزر رہا تھا اس کے گردوں میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی' ڈاکٹر نے اسے بتادیا تھا کہ اگر وہ ایسے ہی دیر اور غفلت کرتا رہا تو خون کا اخراج شروع ہوجائے گا زندگی کے گنے چنے دنوں کی گنتی اور کم ہوجائے گی۔ کیسی قسمت تھی رشید کی پہلے وہ باپ سے الگ ہوا اور اب اسے اپنے بیٹے سے الگ ہونا تھا۔ ایک کے عمل نے الگ کیا ایک کی بیماری کررہی تھی۔ سیدھے لفظوں میں موت

چند مہینے گزرے۔ وہ بنا علاج کے چلتا پھرتا رہا۔ تکلیف سے بلبلاتا... تڑپتا... گردے پھٹنے کے قریب ہوگئے۔ خون کا اخراج شروع ہوگیا۔ یہ ابتدائی لیکن آخری سنگین علامت تھی' اب سمجھ لینے میں دیر کیسی۔ اب وہ لبیک کہے نہ کہے موت لبیک کہلوا کر جائے گی۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر رشید امین کو چومنے لگتا اس سے بار بار معافی مانگتا۔

"میری خواہش تجھے لے ڈوبی۔" سینے سے لگائے رشید روتا رہتا... اگلے دن نئے لوگوں سے ملتا' اصل جونک جوبلی تھا جو اس کا خون چوس رہا تھا' رشید اپنے حال سے اتنا بے حال نہ ہوتا تو شاید جوبلی کو پہچان ہی جاتا۔

امین مدرسے سے آنے کے بعد تالا کھول کر اکیلا ہی گھر بیٹھا رہتا' اب جب حالات اتنے خراب ہوچکے تھے تو رشید نے کچھ اور ہی سوچنا شروع کردیا تھا' جاوید تو مل کر نہیں دے رہا تھا' نہ ہی ملتا نظر آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ امین کو کسی اچھے ادارے میں داخل کروادیتا ہے نو سال کا ہونے والا تھا وہ... چند سالوں بعد جوان ہوکر خود کو سنبھال لے گا۔ پیسے اس کے پاس تھوڑے سے بچ گئے تھے اس کا کام بن سکتا تھا۔ جیسے تیسے وہ پندرہ سال کا بھی ہوجاتا تو کافی تھا۔

رشید اب ایسے کسی ادارے کی تلاش میں جت گیا۔ جہاں امین چند سال اچھے ماحول میں گزار سکتا۔ رشید امین کو اچھی طرح سے سمجھانے والا تھا کہ اسے آئندہ زندگی میں کیا کیا کرنا ہے۔ اپنے ماں باپ کو ڈھونڈے ورنہ پڑھ لکھ کر اچھی زندگی گزارے... زندگی برے موڑ پر آئی ہے تو اچھے موڑ پر بھی آہی جائے گی۔ رشید نے اگر کچھ بگاڑ دیا تھا تو سنور بھی سکتا تھا... رشید کچھ سکون محسوس کرنے لگا تھا' امین کا ذہن بنا رہا تھا وہ' بہت سے ایسے ادارے تھے' جو اس کی نظر میں تھے اور جہاں وہ پرورش حاصل کرسکتا تھا' محفوظ رہ سکتا تھا۔ اچھی سوچ تھی' لیکن اس نے اس اچھی سوچ کا اظہار جوبلی کے سامنے کردیا۔ جوبلی اس دن اس کے ساتھ ہی تھا۔ شام کو وہ گھر آیا تو امین گھر نہیں تھا' تالا کھول کر وہ اندر ہی بیٹھا رہتا تھا۔ رشید آیا تو گھر کا دروازہ کھلا تھا' وہ کبھی باہر جاتا ہی نہیں تھا آج کیسے جاسکتا تھا' رشید نے اسے باہر جانے سے منع کر رکھا تھا پھر بھی رشید آس پاس اسے دیکھ آیا۔ رشید پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی جیسے کچھ بہت برا ہوگیا ہے۔ اس نے جوبلی کو فون کیا کہ وہ آکر اس کی مدد کرے۔ جوبلی کے جواب سے رشید ڈگمگا کر گر گیا اور زمین کی رفتار کے ساتھ گھومنے لگا۔

"وہ میرے پاس ہے پیسے دو اور لے جاؤ۔"

پیسے... پیسے... پیسے... یہ پیسے سب برباد کرچکا ہے برباد کو بھی اور برباد کرے گا؟ کتنا اور...؟

جوبلی کو بھی پیسے چاہیے تھے۔ اتنے پیسے تو وہ اسے دے چکا تھا۔ یک دم رشید کو احساس ہوگیا۔ رشید کیسے بھول گیا کہ جوبلی انسانیت یا پرانا تعلق اس کے ساتھ نبھا سکتا ہے۔ اسے سب سمجھ آگئی کہ دراصل جوبلی نے جاوید کو ڈھونڈا ہی نہیں تھا۔ اسے بس پیسے چاہیے

تھے۔ رشید نے کیسے توقع کرلی کہ وہ اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرے گا وہ بازاری ہے بھاؤ کرے گا کہ چاؤ؟ رشید غصے سے کھولنے لگا۔ وہ اس کے اتنے پیسے کھاچکا تھا... اب تو وہ اسے ایک کوڑی بھی نہ دے گا جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ تو امین کا تھا۔ اس کے بیٹے کا' اس کی تعلیم کا... اسے استاد بنانا چاہتا تھا۔ امین کو یاد کروادیا تھا کہ اسے کیا بنانا ہے۔ اس نے اسے بہت سی باتیں یاد کروادی تھیں۔

"بڑے بابا کا کیا نام ہے؟"

"بابا رشید..."

"سب سے بڑے بابا کا؟"

"میاں جی... اللہ انہیں پیار سے اپنے پاس رکھے' آمین۔"

"ابو... امی؟"

"پیارے ابو جاوید اور پیاری امی نور فاطمہ"

"اور امین کون۔"

"امین... بابا کا بیٹا' میاں جی کا بیٹا' پیارے امی' ابو کا پیارا... امین سب کا پیارا... سب پیارے' امین بھی پیارا... آمین۔" دونوں ہاتھ منہ پر پھیر کر رشید کی آنکھوں پر رکھ دیتا۔

"ہم سب مرجائیں گے؟"

"ہاں! سب۔"

"جو مرجائیں گے وہ کیا کریں گے؟"

"وہ اللہ کے سوالوں کے جواب دیں گے۔"

"جو زندہ رہیں گے وہ کیا کریں گے' امین پیارے۔"

"وہ دعا کریں گے خدا سب کو معاف کردے۔ آمین"

"تم یہ دعا کرتے رہو گے۔" اس نے سرہلایا۔

"ہمیشہ..."

"ہر روز... سونے سے پہلے... اٹھنے کے بعد۔"

"ہم سب مرجائیں گے۔ میں مرجاؤں تو روؤ گے تو نہیں۔" اس نے نفی میں سرہلایا۔

"پر میں کس کے ساتھ سوؤں گا؟" رشید نے اسے بے تحاشا چوما۔

"بہادر بن جاؤ۔"

"میں بہادر ہوں۔"

اس نے کہہ تو دیا۔ لیکن' بیلا کوئی بھی بہادر نہیں ہوتا۔ اپنوں کے بغیر رہنا سیکھ لینا۔ یہ بہادری کوئی بھی نہیں کرنا چاہتا۔

گھر کو تالا لگا کر رشید غصے میں جوبلی کی طرف آیا۔ اس کے اپنے اڈے سے ذرا پرے اس کا ڈیرہ تھا جہاں رات رات بھر شراب اور دوسرے نشے چلتے... وہیں کالج یونیورسٹی کے لڑکے نشہ کرنے آتے اور ادھر ادھر کے دوسرے غنڈے بدمعاش بھی موجود ہوتے۔ رات کا وقت ہوگیا جب بے تحاشا کھانستا رشید وہاں پہنچا۔ جو پہلا منظر دیکھا' اس منظر کو دیکھنے سے پہلے کاش وہ تیز دھار چھری سے اپنا گلا کاٹ لیتا۔ ایک موٹے گجر بدمعاش کی ایک ٹانگ کو امین اپنے چھوٹے چھوٹے پیارے ہاتھوں سے دبا رہا تھا۔ جوبلی ذرا فاصلے

پر کرسی پر بیٹھا تھا۔ اِدھر اُدھر چند اور نشئی لڑکے بیٹھے تھے۔ جوبلی جانتا تھا کہ رشید بس آیا کہ آیا اور جان بوجھ کر امین کو اس کام سے لگایا۔ وہ بے چارہ ڈھلتی عمر کا کھنڈر... ناکارہ ہوئے گردوں سے اس کی طرف لپکا۔ جوبلی نے پہلے ہی امین کا ہاتھ ایک آدمی کو پکڑا دیا۔ جس وقت وہ زمین پر جھک کر امین کو اٹھانے لگا تھا' ٹھیک اسی وقت اس گجر بدمعاش نے ایک زوردار لات اس کے منہ پر دھری۔ رشید درد سے ضرور بلبلاتا' لیکن وہ پہلے ہی امین کے لیے بلبلا رہا تھا۔ اسی گجر نے دو' تین اور لگائے "طریقہ سے بات کر... بچے کو ہاتھ نہ لگا۔" وہ بھونک رہا تھا۔ جوبلی اطمینان سے کرسی پر بیٹھا رہا۔ نشئی لڑکوں نے سر اٹھانے کی زحمت بھی نہ کی۔ امین اندر کہیں جا چکا تھا وہ بابا' بابا چلا رہا تھا۔ رشید تڑپ کر اندر کی طرف لپکنے لگا۔ جوبلی کے دو آدمیوں نے اسے پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ بدمعاش نے اس کی گردن پر پیچھے سے ہاتھ ڈالا اور اسے زمین پر پٹخا... رشید زمین پر بری طرح سے گرا۔ ڈھائی تین سال سے وہ بیمار تھا ڈیڑھ سال سے گردوں کے عارضے میں مبتلا تھا۔ وہ تو ایک بچے کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا کہاں ایک موٹے وزنی بدمعاش کا ہاتھ ' وہ زمین پر پڑا رہ گیا۔ منہ اور ناک سے خون نکلنے لگا اٹھنے کی ہمت نہ رہی۔ اس موٹے نے لاتوں کی بوچھاڑ کر دی' اس کے پیٹ پر۔ رشید درد سے چلانے لگا' چلاتے ہوئے بھی وہ امین کا ہی نام لے رہا تھا۔ کوئی کہہ گیا ہے کہ جو محبت کر لیتا ہے وہ کسی اور کام کا نہیں رہتا۔ رشید اس کی زندہ تصویر بنا ہیرا منڈی سے ذرا پرے زمین پر پڑا تکلیف سے کانپ رہا تھا وہ امین کے علاوہ ہر کام سے گیا۔ یہی وہ بازار تھا اور یہی وہ لوگ تھے جنہیں وہ اپنی چٹکی کی دھول سے برباد کر سکتا تھا کیا اوقات تھی جوبلی کی۔ اس کی بچائی ہوئی شراب اور سگریٹ کے ٹوٹے پیا کرتا تھا اس کی ٹانگیں بھی دبا دیا کرتا تھا۔ اسی ڈیرے پر وہ سب موج مستی کرتے۔ اپنی من پسند محفلیں لگاتے' جھومتے' جوا کھیلتے۔ آج نرالا ہی کھیل چل رہا تھا۔ اسی کا امین اور اسی کے پیسے... رشید کی کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ اس کا جی چاہا ایک ایک کا خون کر دے۔ رشید اٹھا اور جوبلی پر جھپٹ پڑا... اس کا گلا دبوچ لیا۔ رشید تو شیر بن چکا تھا۔ جوبلی کی اتنی ہمت کہ سیپارہ پڑھتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے والے ہاتھوں سے اس بدمعاش کی ٹانگیں دبوائے' اس پر اپنا جوا کھیلے' اس کا سودا کرے۔ امین کا سودا! یہ کم ذات بازار والے کیا جانیں۔ امین کیا ہے؟ وہ سب کے لیے دعا مغفرت کرنے والا' سرکارؐ کا نام لے کر چومنے والا' اس کے سینے پر سر رکھ کر درود پڑھتے پڑھتے سو جانے والا۔ امین کیا ہے؟ کوئی رشید چاند سے پوچھے۔ اپنی پیاری آواز میں اسے لوری دے کر سلانے والا۔ اللہ ہو... اللہ ہو... پیارے ہمارے اللہ... اللہ ہو' جی اللہ ہو... کوئی سنا سکتا ہے ایسی لوری۔

گردن رشید کے کانپتے ہاتھوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ ڈیرے پر موجود باقی لوگ اس پر پل پڑے۔ ایک نے پستول نکال کر اس کی کنپٹی پر رکھ دی۔ سب مل کر رشید چاند کو مار رہے تھے۔

گلابی مر چکی تھی' میاں جی کا خدا جانتا ہے کیا بنا۔ رشید چاند دھڑ دھڑ مار کھا رہا تھا۔ امین اندر سے بابا' بابا چلا رہا تھا۔

"کیا یہ سب قسمت کے کھیل ہیں؟"

میاں کو کس نے کہا تھا کہ ہیرا منڈی آ کر گناہ کرے؟

رشید چاند برو کر نہ بنتا تو کیا بنتا؟ حلال کے ہوتے ہوئے بھی جاوید نے اپنے بچوں کی دکان سجائی وہ اگر سوداگر نہ بنتا تو امین کہاں ہوتا؟

یہ سب تو انسان کے رچائے کھیل ہیں۔ جو کھیل انسان رچاتا ہے ان کے انجام بہت بھیانک ہوتے ہیں اور پھر وہ صرف انجام نہیں کہلاتے۔ عبرت ناک مثالیں بن جاتی ہیں۔

"امین... امین اور بابا... بابا..." کی آوازیں گونجتی رہی۔ ان میں سے ایک آواز بند ہو گئی۔ رشید اتنی مار

کھا کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ دونوں اسے اٹھا کر ڈیرے سے ذرا دور... سڑک کے کنارے پھینک گئے۔

رات گئے سڑک کے کنارے پھیلتے خون اور بے ہوش آدمی کو چند ایک لوگوں نے دیکھا تو ایک نے لاش سمجھ کر ایدھی سینٹر فون کیا۔ ایمبولینس آئی۔ اس کی سانسیں تھیں ابھی... اسے قریبی اسپتال میں لے گئے۔

بس اس کی سانسیں ہی باقی تھیں۔ خون بہت نکل چکا تھا۔ اندر سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ تین دن وہ سرکاری اسپتال کی ایمرجنسی میں رہا۔ وہ چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند دنوں کا مہمان بن گیا تھا۔ اسے ایمرجنسی سے وارڈ میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ وہ مرگ نیند میں اونگھ رہا تھا۔ کپکپاتی پلکوں اور بے چین پتلیوں کے ساتھ... اندر کہیں بہت اندر... امین... امین کی آوازیں لیے۔

اسے وارڈ میں لے جایا جا رہا تھا کہ ایک طرف بیٹھی نوری یک دم چونکی۔ پہلے اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیوں چونکی... کیوں چونکی؟

"یہ کیا ہوا تھا رشید بھائی۔" اس نے پیشانی کی طرف اشارہ کیا۔ "چند بدمعاشوں سے بھڑ گیا تھا آنکھ بچ گئی۔ ورنہ آج ہوتا۔"

پیشانی سے کنپٹی کی طرف آتا گہرا نشان تھا جو رشید کو تیز دھار چاقو سے لگا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی پہلی نظر اس نشان پر ضرور پڑتی تھی اور یہی پہلی نظر اتنے سالوں بعد نوری کی بیڈ پر نیم مردہ بوڑھے پر پڑی تو وہ چونک گئی۔

"رشید..." وہ بڑبڑائی... گم سم حالت میں وہ آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

رشید نے داڑھی رکھ لی تھی۔ بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکا تھا... لاغر اور بوڑھا لگنے لگا۔ شکل پہچانی نہ جاتی۔

"رشید..." نوری بڑبڑائی... اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اس نام کا... وہ وہاں اپنی اماں کے ساتھ آئی تھی ان کی آنکھ میں موتیا اتر آیا تھا اور آج ان کا آپریشن تھا۔ وہ سب جاوید کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی نوری کے گھر آتے تھے۔ نوری ہی ملنے چلی جاتی تھی۔ اماں بھائی کے ساتھ آئی تھیں گاؤں سے سیدھی اسپتال وہ بھی آ گئی اپنے گھر سے۔

"رشید..." یہ وہ چیخ تھی جو اس کے اندر کے سناٹے کو چیر کر نکلی۔ اور اس پر حقیقت کے در کھول گئی۔ کوریڈور میں موجود سب لوگ اسے دیکھنے لگے۔

"اس کا بچہ... رشید۔"

نوری کا جی چاہا دیواریں گر جائیں اور وہ رشید تک پہنچ جائے۔

"میرا بچہ کہاں ہے رشید... ایک بار ملوا دو... رشید بھائی۔"

اس کا بھائی ایک طرف کھڑا تھا اماں کا آپریشن ہو رہا تھا۔ وہ اس طرف کو بھاگی جس طرف رشید کا اسٹریچر گیا

تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔ سر کی چادر گلے میں جھولنے لگی تھی۔ "رشید بھائی" پاگل تھی نوری۔۔۔ آوازیں دینے لگی۔ وارڈ اسے نظر ہی نہیں آرہا تھا' جبکہ وہ وارڈ کے قریب سے ہی گزر کر آئی تھی۔ "مجھے رشید بھائی کے پاس جانا ہے۔" اس نے ایک نرس کا ہاتھ ہی پکڑلیا۔ "وہاں کاؤنٹر پر معلوم کر۔" وہ کاؤنٹر کی طرف بھاگی۔ رشید انہیں کیا معلوم کون رشید۔ وہ مریض نامعلوم کے نام سے ۔۔۔ مخصوص نمبر کے ساتھ۔۔۔ وہ آگے پیچھے بنے وارڈوں کی طرف لپکی' ایک ایک بیڈ کے پاس جاتی دیکھتی۔ تیسرے وارڈ کی دوسری قطار کے آخری بیڈ پر اسے رشید چاند نظر آہی گیا۔

"رشید بھائی۔" وہ اونچی آواز سے چلائی۔

"اٹھیں۔۔۔ میں نوری۔۔۔ میرا بچہ کہاں ہے۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ کو کیا ہوا۔۔۔ وہ کیسا ہے۔۔۔ کس کے پاس ہے۔۔۔ رشید بھائی۔۔۔ میرا بچہ۔۔۔ میرا بیٹا۔" اندھا بھی رشید کی حالت دیکھ کر سمجھ جائے کہ وہ اٹھ کر بیٹھنے یا بات چیت کے قابل نہیں ہے۔ وہ اس کا ہاتھ ہلانے لگی۔

"رشید بھائی۔۔۔ رشید۔۔۔ وہ چلا رہی تھی۔" ایک مریض کا رشتے دار نرس کو بلا لایا۔ وارڈ میں موجود سب ہی مریض اور عورتیں اسے ہی دیکھ رہے تھے' نرس آئی۔

"نظر نہیں آرہا۔۔۔ آخری سانسیں لے رہا ہے۔ کون ہو تم اس کی؟"

"آخری سانسیں۔" نوری نے ذرا غور سے رشید کو دیکھا۔

"یہ کیسے آخری سانسیں لے سکتا ہے۔ اس کے پاس تو میرا بیٹا ہے۔ یہ کیسے۔۔۔" اندر گھنٹیاں بجیں۔

"میں ان کی بہن ہوں۔۔۔ یہیں رہنے دیں مجھے۔"

"طریقے سے رہو اور لوگ بھی ہیں یہاں۔" نرس منہ بنا کر چلی گئی۔ نوری قریب کھڑی رونے لگی۔

"کیا یہ مر رہا ہے؟" "کیوں مر رہا ہے؟ کیسے مر سکتا ہے؟" نوری کا وجود پور پور جھنجھنا اٹھا۔

وارڈ میں موجود ہر شخص اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"بھائی ہے یہ میرا۔" ساتھ کے بیڈ کے مریض کی ایک عورت ٹانگیں دبا رہی تھی۔ نوری کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی تو نوری نے رندھے گلے سے اسے بلاوجہ ہی کہا۔

"میرے بچے کا باپ ہے۔" بلاوجہ ہی بتایا۔ عورت کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔

"بھائی۔۔۔ بچے کا باپ؟"

نوری بیڈ کے قریب جھک کر رشید کے منہ کے پاس ہوئی۔

"رشید بھائی" سرگوشی کی' ایک آنکھ وارڈ کی طرف رکھی' لیکن اکا دکا ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ جس جنونی انداز کو اپنائے وہ اندر آئی تھی وہ کافی تھا۔ اسے گھورنے کے لیے نوری بہت دیر تک سرگوشی میں پکارتی رہی۔ رشید۔۔۔ بچہ۔۔۔

نوری ساری دنیا ہار کر وہاں کھڑی تھی۔ ایک ایسی ماں جس کے بچوں نے اسے تر نوالے کھلائے تھے۔ اب ایسی عورت جب ماں بنے گی تو قیامت سے گزرے گی۔ وہ بچوں کو پیدا کرنے کے بعد ماں نہیں بنی تھی۔ وہ ان کی قسمت آنکنے کے بعد ماں بنی تھی۔ ایسی عورت پر خدا رحم کرے۔ ایسی عورت پر سب مل کر رحم کریں تو بھی کم ہے۔

نوری کا بھائی اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ ناکام ہو گیا تو اکیلا ہی اماں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس بے چارے نے سوچا کہ نوری اپنے گھر واپس چلی گئی ہوگی اور وہ بت بنی رشید کو تکے جا رہی تھی۔ جیسے کسی نے اس پر ظلم کر دیا۔ جیسے رشید اس کا بچہ لے کر بھاگ گیا۔ اب ملا۔۔۔ نوری خاکوں خاک ہو کر اسے ڈھونڈتی رہی' اب ملا رشید۔

"او میری میا' منحوس ماری یہ آواز کس نہ خانے سے پھر نکل آئی۔۔۔ ہر دیوار پر اس آواز کے گھڑیال لٹک گئے' فرش پر بچھ گئی۔ سر پر تن گئی۔ اب تو بخش دیتی یہ آواز نوری کو' پر گوری باز نہیں آئی تالی پر تالی بجاتی

رہی۔

رشید آنکھیں کھولنے' زبان کو حرکت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے وہاں ٹکے شام سے رات ہو گئی اور پھر رات گزرنے لگی۔ وہ ویسے ہی کھڑی رہی ایک ہی انداز' ایک ہی التجا کو لیے کہ رشید اس کی طرف کب متوجہ ہوگا۔ رشید جس کے پاس اس کا بہت کچھ تھا۔

"اے بی بی۔۔۔ بی بی۔" وہی عورت اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔ بی بی کے حواس کام ہی نہیں کر رہے تھے۔ وہ صرف رشید کے ہونٹوں کی جنبش پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ اس کی سانسوں کی آمد و رفت کو گن رہی تھی۔ عورت اسے بیٹھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ بیڈ کے پاس بینچ رکھا تھا۔ وہ اسے وہاں بٹھانا چاہ رہی تھی۔ نوری اکڑوں بیٹھ گئی۔ بت بنی نظریں رشید پر گاڑے' ایک آنکھ کہیں اور بھی لگی تھی۔ کہیں پچھلے وقت کی طرف۔

"کبھی کبھی مجھے منا بہت یاد آتا ہے۔" ایک رات وہ کہنے لگی۔

"کون منا؟" جاوید کے سینے پر اس کا سر تھا۔

"ہمارا منا۔" نوری خفا ہوئی۔ جاوید نے سانس لی' بدمزا سی سانس' نوری جان گئی۔

"تو نے اس بردکر کو دے دیا۔" جاوید کا دل چاہا نوری کو زمین پر پٹخ دے۔

"سوجا۔۔۔" اس نے کہا۔

"اب تو بولنے لگا ہوگا' بھاگتا دوڑتا ہوگا۔" نوری کو منے کی ہی یاد زیادہ ستاتی۔

"ہماری بلا سے وہ کچھ بھی کرے۔" جاوید نے اس کے سر کو ایک طرف کیا۔

نانا' دادا کی نشانیاں بیچ کر کھا جانے والا وہ کن کن بلاؤں کی فکر کرتا۔ جاوید نے جواب نہ دیا اور سوتا بنا نوری بھی سونے لگی۔ ایسی بھول چوک سے آنے والی یادوں کو وہ بڑے طریقے سے نکال باہر کرنے لگی۔ اب سارے طریقے بھلائے جامد ہوئی بیٹھی تھی۔ جیسے دنیا میں سیدھی یہیں اتاری گئی ہو۔ عین رشید کے سرہانے' صرف بچہ لینے۔

گھر سوتا جاوید سمجھا کہ وہ گاؤں اپنی اماں کے ساتھ چلی گئی ہوگی۔ سب غلط سمجھ رہے تھے نوری وہاں کہیں نہیں تھی۔ نوری اپنے اصل ٹھکانے پر تھی۔

رات کے آخری پہر رشید کے ہونٹ لرزے' نرس اسے کہہ گئی تھی کہ اس میں کوئی حرکت ہو تو اسے آکر بتائے۔ ایک بار آکر وہ رشید کو دیکھ گئی تھی۔ لیکن بے ایمان نوری خود تن کر بیٹھ گئی۔ نرس کے پاس نہ گئی۔ رشید کے ہونٹ پھڑپھڑا کر وا ہوئے۔ نوری جھٹ قریب ہوئی۔ کانپتی ہوئی' ہکلاتی اور حواس گم کرتی۔

"رشید بھائی۔۔۔ میرا بچہ۔۔۔ کہاں ہے۔" اگلے پندرہ منٹ تک وہ یہی کہتی رہی۔ رشید میں کوئی اور حرکت نہ ہوئی۔ نوری نے اس کا بازو ہلانا شروع کر دیا۔

"بی بی کیوں اودھی جان دے پیچھے پیئے ایں۔" عورت تڑخ کر بولی۔ نوری نے سنا ہی نہیں۔ رشید جان کنی کے عذاب سے گزر رہا تھا۔ انگلی کی پور بھی اس پر بھاری تھی۔ رشید کراہنے لگا۔ اس کے اعضا سکڑنے سمٹنے لگے۔ ہونٹ کھلے۔ بھنویں اچکیں پیشانی پر بل آئے' سارا جسم کراہ بن گیا۔ رشید نے کچھ کہا۔ نہ جانے کیا۔۔۔ لیکن الفاظ تڑمڑ کر نکلے تھے۔ اس کے اتنے قریب بیٹھی نوری سن نہیں سکی تڑپ اٹھی۔

"بولو۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ کچھ تو بولو۔۔۔ کیا ہوا تمہیں۔۔۔ کہاں ہے میرا بچہ۔۔۔ ٹھیک تو ہے نا وہ۔۔۔ رشید بھائی مجھ پر رحم کرو' خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ میرے حال پر رحم کرو' کس کے پاس چھوڑ لے اسے کہاں ہے میرا بچہ؟" وہ اپنا منہ اس کے کان کے پاس رکھ کر کہتی ہی رہی۔

بہت دیر گزری رشید نے دونوں آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ نوری جھٹ اس کے سامنے آئی۔ گردن گھما کر وارڈ سے باہر بنے کاؤنٹر کی طرف بھی دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی

نرس اس کے سر پر آجائے۔ رشید نے نوری کی طرف دیکھا۔ لیکن صاف نظر آرہا تھا کہ جیسے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

"میرا بچہ کہاں ہے؟" نوری کی آواز ذرا بلند ہوئی۔ رشید نے جیسے ایک آخری بار دنیا دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے کچھ دکھائی اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ آنسو نوری کی آنکھوں سے رواں تھے۔ وہ کب سے ماتم کرنے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ رشید یہاں آکر آخری سانسیں لے رہا تھا تو اس کا بچہ کہاں تھا۔

رشید گہرے گہرے انجانے سانس لے رہا تھا آنکھوں کی پتلیاں ڈگمگا رہی تھیں، ہونٹ سیاہ تر ہوتے جارہے تھے۔

نوری نے اس حالت کو دیکھا تو زور سے چلائی کہ چیخ سے وارڈ کے سب مریض ان کے ساتھ ہی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ نرس لمبے وارڈ کے کنارے سے آتی نظر آئی،

"میرا بچہ کہاں ہے۔" وہ چلائی ساکت ہونے کے قریب پتلیاں ذرا کی ذرا پھڑپھڑائیں۔ نرس تیز تیز چلتی آرہی تھی۔ رشید کی نظریں نوری پر ٹکیں اس نے اپنا ایک ہاتھ ذرا سا بلند کیا۔ سامنے کی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں... کہاں؟ وہاں۔" نوری ہاتھ کے اشارے پر مرتکز ہوگئی۔ الفاظ گڑبڑائے۔ رشید کچھ بول ضرور رہا تھا۔ لیکن... نرس اس کے سر پر آچکی تھی۔

"ان کا ماسک کس نے اتارا۔" وہ زور سے بولی۔ "کیوں چلا رہی ہو تم۔" اس نے آتے ہی آکسیجن ماسک کو رشید کے منہ پر رکھا جسے نوری نے ہی آنکھیں کھلنے پر اتار دیا تھا۔ نوری نے ماسک فوراً" اتار دیا۔

"نکلو یہاں سے۔" نرس تڑخ کر بولی اور ماسک واپس لگایا۔ اور نرس کو دھکا دیا۔

"میرا بچہ کہاں ہے رشید بھائی... جلدی بتاؤ..." وہ مسلسل چلا رہی تھی... نرس اسے گھسیٹنے لگی۔ باقی سب تماشا دیکھنے لگے۔ بیڈ کے قریب حلقہ بنائے لوگ پرے ہوگئے۔ نرس نوری کو گھسیٹ کر باہر لے جانے کی کوشش کررہی تھی۔ نرس کو ایک زوردار دھکا دے کر نوری رشید کی طرف لپکی۔ اس کے منہ کے پاس کان لے کر گئی۔

"جلدی بتاؤ رشید۔" دنوں کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ نرس باہر وارڈ بوائے اور ڈاکٹر کو لینے کے لیے بھاگی نوری نامی چیز اس کے قابو سے باہر تھی۔

رشید کا ہاتھ پھر ذرا سا بلند ہوا اسی دیوار کی طرف جس کے بہت پرے بہت سی سڑکوں کے پار ہیرا منڈی تھی اور بہت سی گلیوں سے آگے جو بلی کا ڈیرہ تھا۔ الفاظ سرگوشی بن کر نکلے۔

"مم... مم... منڈی۔"

"منڈی..." نوری ہر حال سے بے حال ہوگئی۔

"کس منڈی؟ سبزی منڈی... کس کے پاس؟ کہاں؟" رشید کی آنکھیں ساکت ہونے کے قریب تھیں۔

"ب... ب... بازا... مم... منڈ۔" نرس، وارڈ بوائے، ڈاکٹر بھاگے آئے۔

"بازار..." نوری اس کا ہاتھ ہلا رہی تھی، اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔ وارڈ بوائے نے پکڑ کر اسے باہر کی طرف گھسیٹا۔

"کس بازار... کون سی منڈی؟" اس کی اونچی دل دہلا دینے والی آواز نے وارڈ کا سناٹا توڑ دیا تھا۔ جہاں کوئی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

ڈاکٹر رشید کو دیکھنے لگا ماسک پہنایا، پمپ کرنے لگا۔ نوری، بازار منڈی چلا رہی تھی۔

وارڈ بوائے کے ہاتھوں سے خود کو آزاد کروانے کی کوشش کررہی تھی۔ گلے سے چادر اتر کر گر چکی تھی۔ دو، تین عورتیں قریب آئیں اسے قابو میں کرنے کے لیے نوری خود کو چھڑواتے، ہاتھ پاؤں مارتے بے حال ہورہی تھی۔ وہ مڑ مڑ کر صرف رشید کی طرف دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں اب ساکت ہوچکی تھیں۔

"میرا بچہ..." آخری چیخ مار کر وہ فرش پر گر گئی۔

رشید مرچکا تھا ڈاکٹر اس کا ماسک اتار چکا تھا۔ نوری بے ہوش ہوگئی تھی۔ نرس نے ہی دو تین عورتوں کی مدد سے اسے ایک بیڈ پر لٹایا۔ ایک بیڈ پر نوری بے ہوش دوسرے پہ رشید بے جان۔ ایک ہر فکر سے بے نیاز ہوگیا دوسرا اب گرفتار بلا ہوا۔ سفر دونوں کے شروع ہوچکے تھے۔

☼ ☼ ☼

رشید چاند کے بارے میں جاوید سب جانتا تھا۔ ہیرا منڈی میں اس کا ٹھکانہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ جاوید نے جوبلی کو بھی ڈھونڈ لیا لیکن وہ امین کو نہیں ڈھونڈ سکا۔ گڈو بدمعاش کے ذریعے جاوید نے جوبلی کے ڈیرے پر جاکر بات کی۔ لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جاوید نے پیسوں کا لالچ بھی دیا۔ لیکن وہ نہیں مانے... اندرون خانہ جو کچھ معلوم کروایا اس کا لب لباب یہ تھا کہ بچہ بھوکا پیاسا رو، رو کر مرگیا۔ کچھ خبریں ایسی تھیں کہ بچہ انہوں نے بیچ دیا۔ اگر بیچ دیا تھا تو ایسی جگہ بیچا تھا جہاں سے مل نہیں سکتا تھا اور اگر مرگیا تھا تو... اس نے نوری کو صاف بتا دیا کہ رشید کا کوئی پتا، ٹھکانہ نہ ملا... وہ ہر روز... آکر نوری سے یہی کہتا پر نوری کہاں مانتی... وہ منہ اندھیرے... کڑی دوپہروں میں... شناسوں میں، شاہی محلے... اندرون، بیرون بازاروں میں... بچہ بچہ کی رٹ لگائے... ہر شخص کی طرف لپکتی۔

جاوید کہتا وہ حواسوں میں نہیں رہی... جھوٹ بکتا تھا۔ اب ہی تو حواس آئے تھے۔ اماں اسے زبردستی اپنے ساتھ گاؤں لے گئیں۔ حاجن بی اسے سارا سارا دن اپنے ساتھ لگائے رکھتیں۔ مانو اور گڑیا کبھی کبھار اس سے آکر مل جاتیں... جاوید نے دوسری فیکٹری لگالی... مطلب دوسری شادی کرلی۔ وہ امیر سے امیر تر ہونے لگا۔

نوری پانچ وقت نماز پڑھتی۔ تلاوت کرتی اور باقی کا فارغ وقت گھر سے نکل کر اپنے بچوں کو ڈھونڈتی... وہ پاگل نہیں تھی۔ لیکن اپنے حواسوں میں بھی نہیں وہ صرف گاؤں میں ہی رہتی ہے۔ گاؤں سے باہر نہیں نکلتی۔ نمازوں کے اوقات میں حاجن بی کے گھر آجاتی... ورنہ... ورنہ... نوری کے لیے بہت گلیاں... بڑے راستے ...

بہت ہفتے... مہینے... گزرے... چند سال گزرے... گڑیا ایک میڈم کو اپنے باپ کی کار میں بٹھا کر گاؤں لائی... یہ گوہر تھی... جو سارہ کو اس کے اصل ماں... باپ سے ملوانے لائی تھی۔ وہ پچھلے چند سالوں سے جاوید کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اب ملا تو فوراً" پاکستان آگئی سارہ کو لے کر... سارہ... ایک مضبوط لڑکی کی مکمل تصویر... وہ اپنی ماں کے سینے سے لگی... اس کی آنکھوں کو چوما... بے نور نوری میں کچھ نور در آیا۔

یہ اس کہانی کا انجام نہیں ہے... اس کہانی کا کوئی انجام نہیں ہے۔ جب نفس کی موت ہوگی... اعمال کا حساب ہوگا، بس اسی وقت اس کہانی کا انجام ہوگا۔

☼